دلائل النجات لأصول سیدّ الکائنات (صلی اللہ علیہ وسلم)
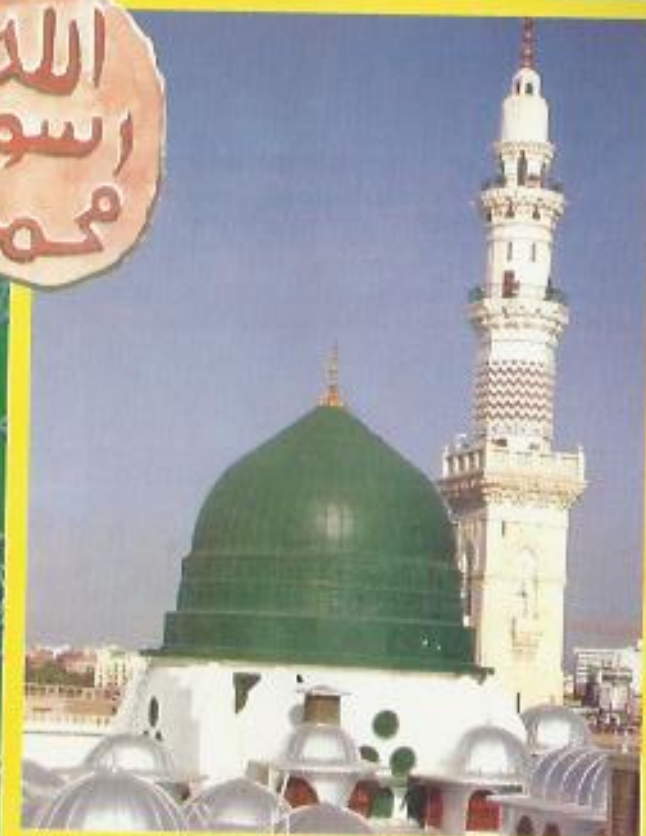
مؤلف
مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی
سابق مدرس جامعہ نعیمیہ لاہور

ڈاکٹر شاکر کلینک
145-شالامار لنک روڈ مغلپورہ، لاہور

وما کنا معذبین حتیٰ نبعث رسولاً

اور ہم کسی کو عذاب نہیں دیں گے جب تک ہم پہلے رسول نہ بھیج دیں (سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۱۵)

حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے آباواجداد خصوصاً والدین کریمین کے ایمان ونجات یافتہ ہونے پر قرآن وسنت کی روشنی میں دلائل وبراہین سے آراستہ آسان اور بامحاورہ اُردو پر مشتمل مختصر مگر جامع کتاب مستطاب

بنام:

دلائل النجات لأصول سیدالکائنات (ﷺ)

مؤلف۔ مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی

سابق مدرس جامعہ نعیمیہ لاہور

ڈاکٹر شاکر کلینک

145-شالامار لنک روڈ مغلپورہ، لاہور

ناشر۔ انتظامیہ جامع مسجد

قبا نیو کینال پارک تاج باغ روڈ ہربنس پورہ، لاہور

مؤلف کتاب ھذا کی دیگر تالیفات

۱۔ خصائص الاسماء الحسنیٰ

...نی ومطالب اور فوائد و برکات اسماء الحسنیٰ پر مشتمل جامع ومدلل کتاب آج ہی منگا کر مطالعہ فرمائیں

ناشر فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار لاہور

۲۔ تفسیر مدارک التنزیل

تصنیف۔ علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی (متوفی ۷۱۰ھ)

مترجم۔ علامہ حافظ محمد بخش غوثوی مجاوری سابق مدرس جامعہ نعیمیہ لاہور

قرآن مجید اور تفسیر مدارک کا آسان اردو میں عشق ومحبت سے لبریز سلیس اور بامحاورہ ترجمہ اور عقائد اہل سنت کی تائید میں حسب موقع مفید حواشی کے اضافہ کے ساتھ ترجمہ بنام **معارف التنزیل**

زیور طبع سے آراستہ ہو کر عنقریب شائقین کیلئے منظر عام پر آ رہی ہے

خصوصیات

الف۔ قرآن مجید کی متوسط تفسیر نہ بالکل مختصر اور نہ بہت طویل کہ اکتاہٹ میں مبتلا کر دے

ب۔ عقائد اہل سنت کی ترجمانی اور اہل بدعت خصوصاً معتزلہ وغیرہ کی تردید سے بھرپور تفسیر مشکل الفاظ کے معانی تشریح

ج۔ مدارس دینیہ کے طلباء اور دیگر عربی کے ماہر اہل حضرات کیلئے صرف ونحوی (گرامر) کی ابحاث وتراکیب وغیرہ۔

د۔ قراء حضرات کیلئے مختلف قراءت کی جا بجا وضاحت وتفصیل کا مفید ترین ذخیرہ

ناشر فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اَبَوَیْہِ الشَّرِیْفَیْنِ الْکَرِیْمَیْنِ الطَّاھِرَیْنِ الْمُطَھَّرَیْنِ مِنْ اَدْنَاسِ عَقَائِدِ الْکَافِرِیْنَ وَالْمُشْرِکِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ وَاَصْحَابِہِ الْھَادِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ وَاَوْلِیَآءِ اُمَّتِہِ الصَّالِحِیْنَ الْکَامِلِیْنَ وَعُلَمَآءِ مِلَّتِہِ الرَّاشِدِیْنَ الْمُرْشِدِیْنَ وَعَلٰی سَائِرِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ

احباب اہل سنت کی خدمت عالیہ میں نہایت ادب سے عرض ہے کہ بندہ ناچیز سیاہ کار گنہ گار کو اپنی کم علمی کا پورا پورا احساس اور اعتراف ہے کیونکہ میں نہ تو اتنا بڑا عالم و فاضل ہوں اور نہ ہی ادیب و مصنف ہوں البتہ حضور نبی کریم رؤف و رحیم رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کی سچی عقیدت و محبت سے عقل و دماغ اور قلب و سینہ ضرور لبریز ہے اور جماعت اہل سنت کے لئے یہی وہ متاع عظیم ہے جس پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے اور اس کتاب کے لکھنے سے اولین مقصد یہی ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی رضا اور حضور رحمت عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی حاصل ہو وہاں اپنی عقیدت و محبت کا اظہار بھی ہو جائے کیونکہ حضور کے والدین کریمین کی نجات کا عقیدہ اہل محبت ہی رکھتے ہیں۔

دوسرا مقصد یہ ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ اپنی نجات کا سامان بھی مہیا کیا جائے۔

تیسرا مقصد یہ ہے کہ اختلافات و تعصبات کے اس پر فتن دور میں جہاں بدعملی بے راہ روی اور فاسد خیالات کی وبار عام پھیلتی جا رہی ہے وہاں بدعقیدگی، بے ادبی و گستاخی اور فرقہ پرستی کی بیماری بھی سیلاب کی طرح ہر طرف پھیلتی جا رہی ہے اب تو یہ حالت ہو چکی ہے کہ بدعقیدہ لوگوں نے اپنے ظاہری علوم کے غرور میں جہاں حضور نبی

کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور دیگر بزرگان دین کو ہدف تنقید بنایا ہوا ہے وہاں یہ بدنصیب لوگ حضور کے والدین کریمین کو بھی ہدف تنقید بناتے رہتے ہیں اگرچہ ہمارے اکابر اہلسنت علماء اسلام نے اس مضمون پر کافی کتابیں لکھی ہیں خاص طور پر علامہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون پر آٹھ رسائل شریف تحریر فرمائے ہیں مگر سب کے سب عربی میں ہیں، علاوہ ازیں اعلےٰحضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت امام الشاہ احمد رضاخاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون پر "شمول الاسلام" نام کی ایک بہترین کتاب تصنیف فرمائی ہے جو اردو زبان میں جامع اور مدلل کتاب ہے لیکن عربی اور فارسی الفاظ کی آمیزش کی وجہ سے عام پڑھے لکھے حضرات کے لئے اس کا سمجھنا دشوار ہے اس لئے ضرورت محسوس کی کہ نہایت آسان اردو میں اس مضمون پر ایک مختصر سی کتاب لکھ دی جائے تاکہ عام پڑھے لکھے حضرات بھی استفادہ کر سکیں،

یہ ہیں چند مقاصد حسنہ جن کی بنا پر اس کتاب کو لکھنے کے لئے مجھ میں ہمت اور حوصلہ پیدا ہوا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ حضور نبی اکرم رسول معظم رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے آباؤ امہات خصوصاً آپ کے والدین کریمین کے ایمان کی بحث بہت طویل ہے مگر یہاں اختصار کے پیش نظر مکمل گفتگو تو نہیں ہوسکتی تاہم چند ضروری دلائل ذکر کر کے منکرین کے اعتراضات کے جوابات دیئے جائیں گے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب اکرم، نبی محتشم رسول اعظم صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں قبول فرمالے۔

آمین ثم آمین۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین کے ایمان کے بارے میں مختلف مسالک کا بیان۔

پہلا مسلک ۔ یہ ہے کہ حضور نبی کریم رؤف الرحیم رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں نجات یافتہ ہیں کیونکہ یہ دونوں حضرات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت (یعنی اعلانِ نبوت) سے پہلے انتقال فرما چکے تھے اور جو لوگ بعثت سے پہلے گذر چکے ہیں انہیں عذاب نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک قانون بیان فرمایا ہے کہ۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝
(پ ۱۵، س ۱۷، آیت ۱۵)

اور ہم (اس وقت تک) عذاب دینے والے نہیں جب تک ہم (لوگوں کی بھلائی کے لئے پہلے) پیغمبر نہیں بھیج دیتے۔

نوٹ ۔ قرآن کریم کی مزید آیات اہل فترت کی تقسیم میں بیان کی جائیں گی۔

اشاعرہ میں سے اہل اصول اور اہل کلام آئمہ کا ایک گروہ، اور فقہائے شافعیہ کا یہی مسلک ہے کہ جو لوگ اس حال میں فوت ہو جائیں کہ انہیں کسی نبی کی دعوت و تبلیغ نہ پہنچی ہو تو وہ نجات یافتہ ہیں اور بعض فقہاء نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ ایسا شخص جب فوت ہو جائے تو اُسے عذاب نہیں ہوگا کیونکہ اس کی موت فترت پر ہے (فترت سے مراد وہ زمانہ ہے جس میں کوئی نبی نہ ہو جیسے حضرت عیسٰے علیہ السلام سے لے کر حضور تک کا زمانہ) اور اس کی طرف سے دشمنی کا اظہار بھی نہیں ہوا اور نہ کوئی رسول آیا جس کی اس نے تکذیب کی ہو۔ شیخ الاسلام علامہ شرف الدین مناوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی

مسلک ہے کیونکہ ان سے جب پوچھا گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد ماجد کیا جہنم میں ہیں ؟ تو آپ نے اس سائل کو خوب جھڑکا اور ناراض ہو کر فرمایا بے شک ان کا انتقال زمانہ فترت میں ہوا تھا اور بعثت سے پہلے فوت ہونے والے عذاب کے مستحق نہیں بنتے نیز علامہ سبط ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب " مرآۃ الزمان " میں علماء اسلام کی ایک جماعت کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرما دیا ہے کہ۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا	اور ہم عذاب کرنے والے نہیں جب تک کہ ان میں رسول نہ بھیجیں

اور حقیقت بھی یہ ہے کہ حضور نبی اکرم نور مجسم صلے اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو زندگی بھر دعوت حق نہیں پہنچی تو ان کا کیا گناہ ہے کہ انہیں سزا دی جائے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن خلف المعروف علامہ الابی نے بھی شرح مسلم شریف میں اسی مسلک پر یقین کا اظہار کیا ہے، علامہ شیخ عزالدین اپنی کتاب " الامالی " میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہر وہ انسان جو دو پیغمبروں کے درمیانی عرصہ میں پیدا ہوا ہو وہ بھی اہل فترت سے ہے مگر سابق پیغمبر کی اولاد کہ وہ سابق شریعت پر ضرور عمل کرے۔

ہاں البتہ پہلی شریعت نایاب ہو جائے یا پھر اس کی اصلیت مفقود ہو جائے تو اس صورت میں تمام لوگ اہل فترت میں سے ہوں گے کیونکہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے انبیاء کرام تشریف لاتے رہے وہ ایک مخصوص ملک اور ایک مخصوص قوم کے نبی ہوا کرتے تھے لہٰذا کسی بھی ملک اور قوم کے لئے کسی دوسرے علاقہ کے پیغمبر کی تعلیمات پر عمل کرنا ضروری نہ تھا، بہر حال حضور کے والدین کریمین سابق پیغمبر

یعنی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی اولاد سے نہ تھے اور نہ ان کی قوم میں سے تھے کہ انکی تعلیمات پر عمل کرنا ضروری ہوتا۔

باقی رہی حضور رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت تو آپ کے والدین کریمین آپ کے اعلان نبوت کرنے اور دین اسلام کی تبلیغ کرنے سے پہلے انتقال فرما گئے تھے۔ لہٰذا حضور کے والدین کریمین حقیقت میں اہل فترت سے ہیں کیونکہ حضور سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ سے پہلے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے آخر میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے جب کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور امام الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان تقریباً پونے چھ سو سال کا وقفہ تھا اور اس درمیانی عرصہ کو زمانہ فترت کہتے ہیں اور حضور کے والدین کریمین عین اس زمانہ میں موجود تھے جبکہ تمام روئے زمین کو فسق و فجور، ضلالت و گمراہی اور جہالت و ناواقفیت نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور سرزمین مکہ میں کوئی آدمی ایسا نہ تھا جو احکام شریعت کا عالم ہوتا اور دعوت حق اور احکام شریعت کی تبلیغ کے ذریعے لوگوں کی راہنمائی کرتا۔

البتہ صرف چند اہل کتاب کے علماء و احبار موجود تھے جو دین حق کی تبلیغ کرتے تھے لیکن تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ وہ بھی سرزمین مکہ سے باہر دور دراز دوسرے علاقوں میں تھے جیسے شام وغیرہ کے علاقے تھے پھر اس غیر ترقی یافتہ دور میں جبکہ آمد و رفت کے وسائل بہت کم تھے ان کا کھوج پہچاننا اور عام لوگوں کو پالینا بھی ممکن نہ تھا، نیز یہ بھی تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین نے مکہ مکرمہ سے باہر سوائے مدینہ منورہ کے اور کسی علاقہ کا سفر بھی نہیں کیا اور نہ انہوں نے اتنی دراز عمر پائی کہ وہ دین حق کی جستجو کرتے اور شریعت

کے احکام کو تلاش کرتے جیسا کہ علامہ حافظ صلاح الدین العلائی نے اپنی کتاب "الدرۃ السنیہ فی مولد سید البریہ" میں وضاحت فرمائی ہے کہ جس وقت حضور سید عالم فخر آدم و بنی آدم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے شکم اطہر میں جلوہ افروز ہوئے اس وقت آپ کے والد ماجد حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک اٹھارہ[1] سال کے قریب تھی۔ پھر مدینہ منورہ اپنی بیوی کے لئے کھجوریں لینے کے لئے گئے تو قبیلہ بنی نجار میں اپنے ماموں کے گھر انتقال ہو گیا اور صحیح قول کے مطابق حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس وقت ابھی حمل میں ہی تھے اور آپ کی والدہ ماجدہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالے عنہا کی عمر مبارک بھی تقریباً اتنی ہی تھی اور چونکہ وہ پردہ نشین اور گھر میں رہنے والی عورت تھیں اس لئے وہ مردوں کے اجتماعات سے دور رہتی تھیں اور اکثر عورتیں نہیں جانتی تھیں کہ مردوں کا دین اور شریعت کیا ہے؟

---

[1] خیال میں رہے کہ علامہ حافظ صلاح الدین علائی کے اس قول کو علامہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے الحاوی للفتاوی کے ایک رسالہ مسالک الحنفاء میں نقل کیا ہے اور اس میں حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک اٹھارہ سال بتلائی گئی ہے جب کہ خود امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ عنہ نے اپنی کتاب "الخصائص الکبریٰ" میں حضرت عبد اللہ کی عمر مبارک پچیس[25] سال لکھی ہے اور اس کی تائید میں علامہ واقدی کا ایک قول نقل کیا ہے جو یہ ہے۔

قَالَ الْوَاقِدِیُّ هٰذَا اَثْبَتُ الْاَقَاوِیْلِ وَالرِّوَایَاتِ فِیْ وَفَاتِهٖ وَسِنِّهٖ۔
(الخصائص الکبریٰ جلد اول صد ۴۳)

یعنی علامہ واقدی نے کہا ہے کہ حضرت عبد اللہ کی وفات اور انکی عمر مبارک کے متعلق جس قدر روایات اور اقوال ہیں ان میں یہی قول زیادہ درست ہے (یعنی بوقت وفات انکی عمر ۲۵ سال تھی)

خصوصاً ایسے جاہل زمانہ میں جبکہ مردوں کو دین حق کی پوری معرفت حاصل نہ تھی تو عورتیں کیسے جان سکتی تھیں نیز اہل فترت کا قیامت کے دن امتحان ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں گے وہ تو جنت میں داخل ہوں گے اور جو نافرمانی کریں گے وہ جہنم میں جائیں گے یہاں صرف ایک حدیث شریف پیش کرتا ہوں۔

تفصیل علامہ امام عبدالرحمٰن جلال الدین السیوطی کی کتاب "مسالک الحنفاء" میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت امام احمد بن محمد بن حنبل اور علامہ اسحاق بن راہویہ دامام بخاری کے استاد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب "الاعتقاد" میں اس حدیث مبارکہ کو نقل فرمایا ہے اور اسے حضرت اسود بن سریع رضی اللہ عنہ سے صحیح قرار دیا ہے کہ حضور سرور کونین صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

اَرْبَعَةٌ يَمْتَحِنُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ اَصَمُّ لَا يَسْمَعُ شَيْئًا وَّ رَجُلٌ اَحْمَقُ وَرَجُلٌ هَرَمٌ وَّ رَجُلٌ مَاتَ فِي الْفَتْرَةِ فَاَمَّا الْاَصَمُّ فَيَقُوْلُ رَبِّ لَقَدْ جَاءَ الْاِسْلَامُ وَمَا اَسْمَعُ شَيْئًا وَاَمَّا الْاَحْمَقُ فَيَقُوْلُ رَبِّ لَقَدْ جَاءَ الْاِسْلَامُ وَالصِّبْيَانُ يَحْذِفُوْنَ بِالْبَعْرِ وَاَمَّا الْهَرَمُ فَيَقُوْلُ رَبِّ لَقَدْ جَاءَ الْاِسْلَامُ وَمَا اَعْقِلُ شَيْئًا وَاَمَّا الَّذِيْ مَاتَ فِي

قیامت کے دن چار آدمیوں کا امتحان ہوگا ایک بہرا شخص جو بالکل نہ سنے دوسرا احمق آدمی، تیسرا دیوانہ شخص اور چوتھا وہ شخص جو زمانہ فترت میں فوت ہوگیا تھا بہرا شخص کہے گا اے میرے رب بلاشبہ اسلام آیا لیکن میں کچھ سن نہیں سکتا تھا اور احمق آدمی کہے گا اے میرے رب بے شک اسلام آیا مگر مجھ پر بچے مینگنیاں پھینکتے تھے، دیوانہ آدمی کہے گا کہ اے میرے رب بے شک

الْفَتْرَةِ فَيَقُوْلُ رَبِّ مَا اَتَانِيْ رَسُوْلُكَ فَيَاْخُذُ مَوَاثِيْقَهُمْ لَيُطِيْعُنَّهٗ فَيُرْسِلُ اِلَيْهِمْ اَنِ ادْخُلُوا النَّارَ فَمَنْ دَخَلَهَا كَانَتْ عَلَيْهِ بَرْدًا وَّسَلَامًا وَمَنْ لَّمْ يَدْخُلْهَا اُسْحِبَ اِلَيْهَا۔

الحاوی للفتاوٰی جلد دوم صـ۲۰۲

اسلام آیا لیکن میں کچھ سمجھ نہیں رکھتا تھا اور جو شخص زمانہ فترت میں فوت ہوا تھا وہ عرض کرے گا اے میرے رب تیری طرف سے میری طرف رسول آیا ہی نہیں پھر اللہ تعالیٰ امتحان کی غرض سے ان سے پختہ عہد لے گا کہ اب انہیں جو حکم ملے گا اس کی ضرور ضرور اطاعت کریں گے پھر انہیں حکم دیا جائے گا کہ آگ میں داخل ہو جاؤ جو شخص حکم خدا سنتے ہی آگ میں داخل ہو جائے گا تو اس پر وہ آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جائے گی، اور جو اس میں داخل نہ ہو گا تو اسے گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

خیال میں رہے کہ حضرت حافظ العصر شیخ الاسلام علامہ ابو الفضل ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بعض کتابوں میں اسی مسلک کی طرف مائل ہوتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضور نبی کریم رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کے وہ آباء واجداد جو بعثت (اعلان نبوت) سے پہلے انتقال کر چکے ہیں ان کے متعلق ہمارا غالب گمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے حبیب اکرم نبی محترم رسول معظم صلے اللہ علیہ وسلم کے اکرام و اعزاز اور رضا کی خاطر انہیں توفیق رفیق عطا فرمائے گا کہ وہ قیامت کے دن امتحان کے وقت حکم الٰہی کی اطاعت کریں گے تاکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

شیخ الاسلام قاضی تاج الدین السبکی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مختصر ابن الحاجب میں شکر منعم (انعام کرنے والے کے انعام پر شکر ادا کرنے) کے مسئلہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ

مَنْ لَّمْ تَبْلُغْهُ الدَّعْوَةُ فَعِنْدَنَا يَمُوْتُ نَاجِيًا — جس شخص کو دعوت اسلام نہیں پہنچی وہ ہمارے نزدیک نجات پانے والا ہو کر مرے گا۔

علامہ نووی نے شرح مسلم میں مشرکین کے بچوں کے مسئلہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ صحیح اور مختار مذہب یہی ہے جس پر محققین قائم ہیں کہ یہ افراد جنتی ہیں۔

ایک وجہ تو یہ ہے کہ ارشاد خداوندی ہے کہ

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا — اور ہم عذاب کرنے والے نہیں جب تک پہلے کوئی رسول نہ بھیجیں

اور دوسری وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جب اسلام کی دعوت نہ پہنچنے پر عاقل بالغ کو عذاب نہیں ہوگا تو نابالغ بچوں کو تو بطریق اولیٰ عذاب نہیں ہوگا۔

(ماخوذ از الحاوی للفتاوی جلد دوم، الدرج المنیفہ فی الآباء الشریفہ، التعظیم والمنہ فی ان ابوی رسول اللہ فی الجنہ، مسالک الحنفاء فی والدی المصطفی، السبل الجلیہ فی الآباء العلیہ، نشر العلمین المنیفین فی احیاء الابوین الشریفین، و دیگر رسائل سیوطی الصیحین فی تحقیق اسلام آباء سید الکونین)

دوسرا مسلک۔ یہ ہے کہ حضور سرور کائنات فخر موجودات صلے اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین سے پوری زندگی میں شرک ثابت نہیں بلکہ یہ دونوں حضرات اپنے جد امجد حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے دین حنیف پر قائم تھے جیسا کہ اہل عرب کی ایک بہت بڑی جماعت دین ابراہیمی پر قائم تھی مثلاً زید بن عمرو بن نفیل، ورقہ بن نوفل، قیس بن ساعدہ، ابو بکر صدیق، عامر بن الظرب، عبداللہ بن جحش، ابو قیس بن صرمہ، رباب بنت البراء، اسعد

بن کریب حمیری، ان کے علاوہ اور بھی بکثرت افراد دین ابراہیمی پر قائم تھے۔
(ملاحظہ ہو حاشیہ الدین والنفیین بحوالہ تلقیح فہوم الاثرہ فی التاریخ والسیر، کشف الظنون)

علماء اسلام میں سے ایک جماعت کا یہی مسلک ہے، انہیں میں سے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے اپنی کتاب "اسرار التنزیل" میں اس مسئلہ کی خوب وضاحت فرمائی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر نہیں تھے بلکہ وہ آپ کا چچا تھا اور آپ کے والد محترم کا نام حضرت تارخ تھا۔

پہلی دلیل یہ ہے کہ

اِنَّ اٰبَآءَ الْاَنْبِیَآءِ مَا کَانُوْا کُفَّارًا

بے شک انبیاء کرام کے آباء و اجداد کافر نہیں ہوتے۔

(اس لئے حضور سرکار مدینہ اور حضرت ابراہیم کے والدین بھی کافر نہ تھے)

دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے:

اَلَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ۝ وَ تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ ۝

(پ ۱۹، س ۲۶، آیت ۲۱۸، ۲۱۹)

جو تمہیں دیکھتا رہتا ہے جب تم کھڑے ہوتے ہو اور تمہاری گردش کو دیکھتا رہتا ہے سجدہ کرنے والوں میں۔

اس آیت کریمہ کے بارے میں کہا گیا کہ اس کا مطلب اور معنیٰ یہ ہے کہ

اِنَّهٗ کَانَ یُنْقَلُ نُوْرُهٗ مِنْ سَاجِدٍ اِلٰی سَاجِدٍ

بلاشبہ حضور کا نور ایک ساجد سے دوسرے ساجد تک منتقل ہوتا رہا۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ حضور کے آباؤ اجداد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں سجدہ ریزی کرنے والے عبادت گذار توحید کے قائل مسلمان تھے۔

چنانچہ علامہ امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ

فَالْاٰیَةُ دَالَّةٌ عَلٰی اَنَّ جَمِیْعَ اٰبَاءِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ وَحِیْنَئِذٍ یَجِبُ اَنْ نَقْطَعَ بِاَنَّ وَالِدَ اِبْرَاھِیْمَ مَا کَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ۔

پس یہ آیت مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضور کے تمام آباؤ اجداد مسلمان تھے اور اس وقت قطعی طور پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد ماجد کافروں سے نہ تھے۔

درحقیقت آذر آپ کا چچا تھا خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ میں مفہوم اور معنی کے اعتبار سے دوسری وجوہات بھی ہیں جس پر اس آیت کو محمول کیا جائے گا اور جب تمام روایات موجود ہیں اور ان میں تعارض و تضاد بھی نہیں تو واجب ہے کہ آیت کریمہ کو سب پر محمول کریں اور جب یہ تمام احتمالات صحیح اور درست ہیں تو ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم کے والد بت پرستوں میں سے نہ تھے پھر علامہ امام محمد فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تیسری دلیل جس میں ثابت ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد شرک و کفر سے پاک تھے اور ان میں سے کوئی فرد بھی مشرکوں میں سے نہ تھا یہ ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

لَمْ اَزَلْ اُنْقَلُ مِنْ اَصْلَابِ الطَّاھِرِیْنَ اِلٰی اَرْحَامِ الطَّاھِرَاتِ۔

میں ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا ہوں۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ۔

اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ

بیشک مشرک نرے ناپاک ہیں۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ مشرک ناپاک ہیں اور چونکہ حضور کے تمام آباؤ اجداد طیب و طاہر اور ہر قسم کی گندگی سے پاک تھے لہٰذا ثابت ہوا کہ وہ مشرک نہ تھے بلکہ مومن تھے۔

یہ ہے امام فخر الدین رازی (صاحب تفسیر کبیر) کا بعینہٖ کلام جو کہ یہاں نقل کیا گیا ہے اور تمہیں انکی امامت و جلالت چون و چرا سے باز رکھتی ہے کیونکہ وہ یقیناً اپنے زمانے میں اہل سنت کے بہت بڑے امام تھے اور اپنے وقت میں بدعتی فرقوں کے رد میں ہمیشہ سرگرم عمل رہتے اور اپنے زمانے میں مذہب اشاعرہ کے بہت بڑے مددگار تھے، اور چھٹی صدی کے آخر میں ایسے مجدد اور عالم دین مبعوث ہوئے تھے جنہوں نے اس امت کے دینی امور کو زندہ کر دیا تھا۔

(الحاوی للفتاوی جلد دوم صـ۲۱۰)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ مسالک الحنفاء میں لکھتے ہیں کہ میں نے امام ابوالحسن ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ ارشاد دیکھا ہے جو انہوں نے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ کلام کی طرف بطور اشارہ فرمایا ہے مگر انہوں نے اس قدر صراحت نہیں فرمائی جس قدر حضرت امام رازی نے فرمائی ہے۔

امام ابوالحسن فرماتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کرام اس کے تمام بندوں سے برگزیدہ اور سب سے اعلےٰ و افضل ہوتے ہیں اور اس کی تمام مخلوق میں سے سب سے بہتر و برتر اور عظیم الشان کمالات کے حامل ہوتے ہیں اس لئے جب بھی انہیں حقوق الٰہی کی تبلیغ اور لوگوں کی ہدایت کے لئے مقرر کیا جاتا ہے تو انہیں تمام لوگوں میں سے معزز و مکرم ترین عناصر سے منتخب کیا جاتا ہے اور مضبوط اور پختہ وعدوں کے ساتھ منتخب کر کے دنیا میں بھیجا جاتا ہے تاکہ لوگوں کے دل صاف رہیں اور ان کی جانیں ان حضرات کی طرف خوب جھک جائیں، لہٰذا کوئی شخص ان کے حسب و نسب پر اعتراض نہیں کر سکتا اور نہ ان کے منصب و مقام پر کوئی جرح کر سکتا ہے بلکہ سلیم فطرت لوگ انکی دعوت قبول کرنے

ہیں جلدی کرتے ہیں اور ان کے احکام کی خوب فرمانبرداری کرتے ہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم نبی محترم صلے اللہ علیہ وسلم کو پاکیزہ نکاحوں سے منتقل فرمایا ہے اور آپ کو ہر قسم کی نجاست اور پلیدی سے محفوظ رکھا ہے اور وہ آپ کو ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ رحموں میں منتقل فرماتا رہا ہے اور بلاشبہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کریمہ وَ تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ۔ اور آپ کو سجدہ کرنے والوں میں منتقل فرماتا رہا ہے کی تفسیر و تاویل میں فرمایا ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو پاک پشتوں یعنی ایک باپ سے دوسرے باپ کی طرف منتقل فرماتا رہا ہے۔

نیز علامہ ابوجعفر احمد بن محمد النحاس النحوی متوفی (۳۳۸ھ) نے اپنی کتاب معانی القرآن میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا اس آیت کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور کو پاک پشتوں میں منتقل فرماتا رہا ہے یہاں تک آپ کو نبی بنا کر پیدا فرمایا اور علامہ حافظ شمس الدین ابن ناصر الدین دمشقی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب ارشاد فرمایا ہے۔

۱۔ تَنَقَّلَ اَحْمَدُ نُوْرًا عَظِيْمًا — تَلَأْلَأَ فِيْ جِبَاهِ السَّاجِدِيْنَا

۲۔ تَقَلَّبَ فِيْهِمُ قَرْنًا فَقَرْنًا — اِلٰى اَنْ جَآءَ خَيْرَ الْمُرْسَلِيْنَا

۱۔ حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا عظیم الشان نور مبارک منتقل ہوتا رہا اور سجدہ کرنے والوں کی پیشانیوں میں چمکتا رہا۔

۲۔ ان میں یکے بعد دیگرے بدلتا رہا یہاں تک کہ خیر المرسلین بن کر تشریف لائے۔

(الحاوی للفتاویٰ جلد دوم ص۲۳۱)

تیسرا مسلک

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے حبیب اکرم و رحمت مجسم صلے اللہ علیہ وسلم کے آباء کرام

کی خاطر آپ کے والدین کریمین کو زندہ فرمایا اور یہ دونوں حضرات زندہ ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے کلمہ توحید پڑھا اور اہل ایمان کی جماعت میں شامل ہو گئے کیونکہ وہ حضور کی امت جو تمام امتوں سے بہتر امت ہے، میں شامل ہو جائیں نیز انہیں بھی شرف صحابیت حاصل ہو پس اس لئے انہیں فوت ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ کیا گیا ورنہ وہ پہلے ہی سے توحید کے قائل تھے اور شرک سے پاک تھے کیونکہ ان سے پہلے شرک کرنا ثابت نہیں۔

بہر حال اس مسلک کو بھی محدثین و دیگر علماء اسلام کی ایک بڑی جماعت نے اختیار کیا ہے جن میں علامہ امام ابو حفص عمر بن شاہین بغدادی علامہ حافظ ابو بکر خطیب بغدادی، امام ابو القاسم عبد الرحمٰن بن عبد اللہ سہیلی، امام المفسرین محمد بن احمد بن ابی بکر قرطبی، علامہ محب الدین طبری، علامہ امام ناصر الدین بن المنیر، ان حضرات کی دلیل یہ ہے جیسے علامہ ابن شاہین اپنی کتاب "الناسخ والمنسوخ" میں اور علامہ حافظ ابو بکر خطیب بغدادی نے "السابق واللاحق" میں، امام قرطبی نے "التذکرۃ بامور الآخرہ" میں، علامہ امام جلال الدین سیوطی نے الحاوی للفتاوی میں، امام محمد بن عبد الباقی نے زرقانی میں، نیز امام دار قطنی اور امام ابن عساکر دونوں نے "غرائب مالک" میں ہے کہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا ہے، آپ فرماتی ہیں کہ حجۃ الوداع میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ حجۃ الوداع فرمایا پھر جب ہم ایک مقام عقبۃ الحجون کے پاس سے گزرنے لگے تو میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرہ اقدس کو دیکھا تو آپ بہت زیادہ غمگین تھے اور آنکھ مبارک سے آنسو جاری تھے کیونکہ آپ اپنی ماں کے فراق اور جدائی میں رو رہے تھے اور آپ کی حالت دیکھ کر میں برداشت نہ کر سکی اور آپ کے غم میں

رونے لگی تھوڑی دیر میں آپ سواری سے نیچے اتر گئے اور مجھے بھی نیچے اتار دیا اور مجھے اونٹ کی مہار ہاتھ میں دے کر فرمایا، یَا حُمَیْرَآءُ اُسْتَمْسِکِیْ، اے حمیراء اس مہار کو تھام رکھو، میں نے حضور کے حکم کے مطابق اونٹ کی لگام تھام رکھی اور اونٹ کے ساتھ تکیہ لگا کر کھڑی ہو گئی حضور کچھ فاصلہ پہ اپنی والدہ ماجدہ کی قبر مبارک پر تشریف لے گئے اور کافی دیر بعد تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ آپ بہت ہی خوش وخرم اور مسرور ہیں اور مسکرا رہے ہیں، میں نے عرض کیا یارسول اللہ پہلے آپ بہت غمگین اور پریشان تھے اور اب آپ بہت خوش نظر آرہے ہیں اور مسکرا بھی رہے ہیں اس کی کیا وجہ ہے آپ نے فرمایا۔

ذَهَبْتُ لِقَبْرِ أُمِّيْ فَسَأَلْتُ اللّٰهَ رَبِّيْ أَنْ يُّحْيِيَهَا فَأَحْيَاهَا فَآمَنَتْ بِيْ وَرَدَّهَا اللّٰهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ سَأَلَ رَبَّهٗ أَنْ يُّحْيِيَ أَبَوَيْهِ فَأَحْيَاهُمَا فَآمَنَا بِهٖ ثُمَّ أَمَاتَهُمَا۔

میں اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کیلئے گیا تھا اور میں نے اللہ رب العزت سے سوال کیا کہ وہ اسے زندہ کر دے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ کر دیا اور وہ مجھ پر ایمان لائیں پھر اللہ نے انہیں موت سے ہمکنار کر دیا، اور دوسری روایت میں ہے کہ حضور نے اپنے ماں باپ دونوں کے لئے رب تعالیٰ سے زندہ کر دینے کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے دونوں کو زندہ کر دیا اور وہ دونوں آپ پر ایمان لائے پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں موت کی آغوش میں دے دیا۔

خیال میں رہے کہ اس حدیث شریف کی تشریح آئندہ آئے گی، یہاں ایک ضروری بات کی وضاحت کر دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اس حدیث پاک کو بعض علماء کرام نے موضوع (من گھڑت) کہا ہے جیسے ابو الفرج ابن الجوزی وغیرہ لیکن نویں صدی کے مجدد دین اور امام اجل علامہ عبد الرحمٰن عرف جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

تَسَامَحَ ابْنُ الْجَوْزِيِّ فِيْ كِتَابِهِ الْمَوْضُوْعَاتِ مَعْرُوْفٌ نَصَّ عَلَيْهِ آئِمَّةُ الْحَدِيْثِ۔

ابن جوزی نے اپنی کتاب الموضوعات میں غفلت سے کام لے کر جو غلطیاں کی ہیں وہ مشہور و معروف ہیں اور اس غفلت و چشم پوشی پر آئمہ حدیث نے کافی مقامات پر گرفت کی ہے۔

جیسے علامہ ابن صلاح نے جابجا اپنی کتاب "علوم مشیرہ الیہ" میں ذکر فرمایا ہے کہ ابن جوزی نے اپنی کتاب "الموضوعات" میں ایسی ایسی احادیث بیان کی ہیں جو کہ یقیناً بعض حسن بعض ضعیف اور بعض صحیح ہیں، لیکن اس نے ان تمام احادیث کو موضوعات (من گھڑت حدیثوں) کے زمرے میں شامل کر دیا ہے اور ان کو موضوع قرار دے دیا ہے مگر خود ابن جوزی کے پاس ان احادیث مبارکہ کے موضوع ہونے کی کوئی یقینی دلیل نہیں ہے، یہی ابن جوزی کی بہت بڑی غفلت اور غلطی ہے۔ چنانچہ امام نووی نے اپنی کتاب "التقریب" میں بھی ایسا ہی تحریر فرمایا ہے اور علامہ حافظ زین الدین عراقی اپنے قصیدہ لامیہ میں فرماتے ہیں کہ ابو الفرج ابن جوزی نے اپنی کتاب "الموضوعات" میں (جو کہ تقریباً دو جلدوں میں ہے) بعض احادیث کو موضوعات میں درج کر دیا ہے۔ حالانکہ وہ احادیث موضوع نہیں بلکہ ضعیف ہیں اور قاضی القضاۃ امام بدر الدین محمد بن ابراہیم ابن سعد اللہ بن جماعہ الکنانی شافعی (متوفی ۷۳۳ھ) نے اپنی کتاب "المنہل الروی

فی الحدیث النبوی" میں لکھا ہے کہ شیخ ابو الفرج ابن الجوزی نے اپنی کتاب میں بعض احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن حقیقت میں وہ احادیث ضعیف نہیں بلکہ حسن اور صحیح ہیں۔

شیخ الاسلام عمر بن ارسلان بن سراج الدین بلقینی شافعی (متوفی ۸۰۵ھ) نے اپنی کتاب "محاسن الاصطلاح فی تحسین ابن صلاح" میں بعینہ مذکورہ بالا مضمون کو ذکر فرمایا ہے۔ علامہ حافظ صلاح الدین العلائی ارشاد فرماتے ہیں کہ متاخرین علماء کرام کے لئے یہ بات نہایت ہی مشکل ہے کہ وہ کسی حدیث کے متعلق وضع (من گھڑت) کا حکم نافذ کردیں کیونکہ کسی بھی حدیث کو مطلقاً موضوع نہیں کہا جاسکتا جب تک کہ وہ اس حدیث کے تمام طرق کو جمع نہ کیا جائے اور اس کے متعلق کامل تفتیش و تحقیق اور مکمل چھان بین نہ کرلی جائے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے زندہ کرنے کی حدیث جس متن کے ساتھ کتب احادیث میں مذکور ہے اور پھر اس حدیث پاک کے راویوں کے حالات کی تحقیق و تفتیش کثیر قرائن کے بعد اسماء الرجال کے حافظ متبحر اور ماہر عالم دین بھی نہ ہو تو پھر راویوں کے حالات کی تحقیق و تفتیش کیسے ممکن ہوگی اور چونکہ ابو الفرج ابن جوزی اس رتبہ کے علماء اعلام سے نہیں ہیں اس لئے اس سے بہت سی احادیث میں غلطیاں واقع ہوئی ہیں کہ اس نے بعض احادیث کو موضوع کہا ہے حالانکہ وہ احادیث مطلقاً موضوع نہیں بلکہ اس میں بعض احادیث ایسی ہیں جن پر ترغیب و ترہیب میں استدلال جائز ہے اور بعض احادیث تو مطلقاً صحیح ہیں اور بعض آئمہ کرام نے جزم کے ساتھ صحیح قرار دیا ہے جیسے کہ صلاۃ تسبیح کی حدیث ہے۔

علامہ محب الدین طبری فرماتے ہیں کہ صلاۃ تسبیح کی حدیث کو ابن جوزی کا موضوعات میں شامل کرنا بہت بڑی غلطی اور نادانی ہے اور ابن جوزی کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ صحیح حدیث کو موضوعات میں شمار کرتے کیونکہ حفاظ و

محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں اس حدیث کو صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور جیسے بعد از نماز آیۃ الکرسی پڑھنے کے متعلق حدیث ہے جس کو ابن جوزی نے موضوعات میں ذکر کیا ہے حالانکہ اس حدیث پاک کو امام نسائی نے صحیح سند کے ساتھ روایت فرمایا اور شیخ الاسلام حافظ ابن حجر کی تو کئی کتب ایسی ہیں جن میں ابوالفرج ابن الجوزی کی کتاب "موضوعات" میں کئی مقامات پر اخراج احادیث کے بارے سخت گرفت کی ہے جن میں سے ایک کتاب "القول المسدد فی الذب عن مسند احمد" ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ ابن جوزی نے ایک عجیب و غریب وطیرہ اپنا لیا ہے کہ بعض احادیث مبارکہ کو موضوع کہہ دیتا ہے حالانکہ وہ احادیث صحیحین میں موجود ہوتی ہیں اور یہ ابن جوزی کی سخت غفلت ہے جو وہ کر چکا ہے۔

علاوہ ازیں علامہ شامی نے اپنی سیرت میں ذکر فرمایا ہے کہ ابن جوزی کی کتاب "موضوعات" کا میں نے کافی مطالعہ کیا تو میں نے اس کتاب میں بکثرت ایسی احادیث پائی ہیں جو حقیقتاً موضوع نہیں بلکہ وہ احادیث تو سنن اربعہ، صحیح مستدرک، وغیرہ کتب معتبرہ میں صحیح سند کے ساتھ موجود ہیں ان احادیث میں سے بعض ضعیف ہیں اور بعض احسن اور بعض صحیح ہیں اور حضور کے والدین کریمین کے زندہ کرنے کی حدیث کو موضوع قرار دینے میں آئمہ کرام کی بہت بڑی تعداد نے ابن جوزی کی مخالفت کی ہے، جیسا کہ ابھی واضح کیا جا چکا ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ یہ حدیث فی حد ذاتہ ضعیف ہے لیکن ضعیف حدیث کی روائت کرنا فضائل واعمال اور مناقب میں مطلقاً جائز ہے اور یہی قول معتبر و مستند ہے۔

(ماخوذ من البدرین والنقمین فی تحقیق اسلام آباء سید الکونین)

چوتھا مسلک۔ خیال میں رہے یہ مذہب اہل علم حضرات میں سے صرف چند افراد کا ہے جیسے ملا علی قاری وغیرہ جن نے

بعد میں توبہ کرلی تھی، بہرحال حضور سید عالم رحمت مجسم صلے اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے متعلق ان کا عقیدہ عدم نجات کا ہے اور یہ لوگ کفر کے قائل ہیں، ہم اس کتاب میں

اعتراضات اور ان کے جوابات

کے عنوان کے تحت اس فرقہ کے دلائل ذکر کر کے ساتھ ہی جوابات بھی دیں گے یہاں اتنا یاد رکھیں کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اگرچہ حضور کے والدین کریمین کے متعلق عدم نجات اور کفر کا عقیدہ رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ کہتے ہیں کہ کسی کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ اس عقیدہ کا ذکر کرے، چنانچہ علامہ سہیلی نے الروض الانف میں حدیث مسلم ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں ایسا کہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔

لَا تُؤْذُوا الْاَحْيَاءَ بِسَبِّ الْاَمْوَاتِ — یعنی مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذاء اور دکھ نہ پہنچاؤ۔

اس کے علاوہ خود اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا (پ ۲۲، س ۳۳، آیت ۵۷) — بے شک جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا، اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

مذہب مالکیہ کے آئمہ میں سے امام قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ سے جب ایک شخص کے بارے پوچھا گیا کہ وہ کہتا ہے کہ نبی کریم رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کے والدین (نعوذ باللہ) جہنم کی آگ

میں ہیں آپ نے فرمایا جو بدنصیب یہ کہتا ہے،

فَهُوَ مَلْعُوْنٌ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا۔"	پس وہ شخص لعنتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے بے شک جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں، اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے رسول پاک کو ایذا اور دکھ پہنچتا نہیں کہ آپ کے والدین کریمین کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ (نعوذ باللہ) جہنمی ہیں۔

پانچواں مسلک یہ ہے کہ اس مسئلہ میں توقف اختیار کیا جائے یعنی اس میں خاموشی اختیار کرلی جائے اور حضور کے والدین کریمین کے ایمان اور عدم ایمان کے معاملے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے وہی بہتر جانتا ہے۔ چنانچہ علامہ شیخ تاج الدین فاکہانی نے اپنی کتاب "الفجر المنیر" میں فرمایا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کے والدین کریمین کے حال کو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اور علامہ الباجی نے "شرح موطا" میں لکھا ہے کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی مباح فعل یا غیر مباح فعل سے حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو ایذاء اور تکلیف پہنچائے، لیکن دوسرے لوگوں کو فعل مباح سے ایذاء پہنچانا جائز ہے نہ اس کی ممانعت ہے اور نہ اس کا فاعل گنہ گار ہوتا ہے اگرچہ اس سے کسی دوسرے کو ایذا پہنچتی ہو، اسی بناء پر حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضےٰ

رضی اللہ عنہ سے فرمایا جب کہ وہ ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنے کا ارادہ کرنے لگے تھے۔

اِنَّمَا فَاطِمَۃُ بِضْعَۃٌ مِّنِّیْ وَاِنِّیْ لَا اُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ وَلٰکِنْ وَاللّٰہِ لَا تَجْتَمِعُ اِبْنَۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَاِبْنَۃُ عَدُوِّ اللّٰہِ عِنْدَ رَجُلٍ اَبَدًا

سنو! حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے جسم کا ٹکڑا ہے اور میں اسے حرام قرار نہیں دیتا جسے اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے لیکن اللہ کی قسم، اللہ کے رسول کی بیٹی اور دشمن خدا کی بیٹی ایک شخص کے نکاح میں کبھی جمع نہیں ہو سکتیں۔

لہٰذا جس طرح یہاں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ایک فعل مباح (یعنی حضرت فاطمہ کی موجودگی میں دوسرے نکاح کا ارادہ کرنا) سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اذیت پہنچی اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کو والدین کریمین کے بارے میں بھی فعل مباح سے اذیت و تکلیف پہنچانا کسی کے لئے جائز نہیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے حجت پکڑی ہے کہ

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں

پس مومنین پر یہ شرط لگا دی گئی کہ وہ دوسروں کو کسی فعل کے ارتکاب کے بغیر صرف بہتان لگانے کی نیت سے، اذیت پہنچانا جائز نہیں لیکن حضور سید عالم فخر آدم و بنی آدم صلے اللہ علیہ وسلم کو خصوصیت کے ساتھ غیر مشروط طور پر ایذا دینا منع ہے۔

امام ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں یحییٰ بن عبد الملک بن ابی غنیہ سے

روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے عامل نوفل بن فرات نے بیان کیا ہے کہ اہل شام کے پاس ان کا ایک امان یافتہ کاتب تھا۔ اس نے ایک ایسے آدمی کو شام کے ایک ضلع کا افسر بنا دیا جس کا باپ ایک مجوسیہ عورت سے زنا کرتا تھا۔ جب عمر بن عبد العزیز کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس شخص کو بلا کر پوچھا کہ تجھے اس امر کی جرأت کیسی ہوئی کہ تو نے مسلمانوں کے علاقہ میں ایک ضلع کا آفیسر ایسے شخص کو بنا دیا ہے جس کا باپ مجوسیہ عورت سے زنا کرتا ہے اس شخص نے کہا کہ اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو خیر دے اس بات کی وجہ سے مجھ پر کوئی گناہ نہیں ہوگا کیونکہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے والد بھی مشرک تھے (نعوذ باللہ من ذالک) جب حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس (خبیث) کی یہ تکلیف دہ اور اذیت ناک بات سنی تو آپ کو بہت دکھ پہنچا اور آپ نے نہایت دردناک آہ سرد کھینچی پھر تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گئے اور گہری سوچ میں ڈوب گئے اور پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا اور (اہم محفل مشیروں، وزیروں وغیرہ سے) فرمایا کہ کیا میں ایسے (گستاخ و بے ادب) شخص کی زبان کاٹ دوں یا اس کا ایک ہاتھ اور پاؤں کاٹ ڈالوں یا پھر اس کی گردن ہی مار دوں پھر اس شخص سے مخاطب ہو کر فرمایا جب تک میں زندہ ہوں تو حکمران نہیں بن سکے گا۔

(الحاوی للفتاویٰ جلد دوم ص۲۳۲)

علامہ محب الدین طبری نے اپنی کتاب ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ ایک دن حضور سرور کائنات فخر موجودات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں ابولہب کی بیٹی سبیعہ حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ لوگ میرے ساتھ مذاق کرتے ہیں اور مجھے طعنہ دیتے ہیں کہ تم ایک دوزخی کی بیٹی ہو۔ جب رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی چچازاد ہمشیرہ سے یہ کلام سنا تو غضبناک

ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا۔

مَا بَالُ اَقْوَامٍ یُؤْذُوْنَنِیْ فِیْ قَرَابَتِیْ مَنْ آذٰی قَرَابَتِیْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰہَ وَمَنْ آذَی اللّٰہَ فَقَدْ ھَلَکَ۔

ان قوموں کا کیا حال ہے کہ جو مجھے میرے قرابتداروں کی وجہ سے اذیت دیتے ہیں جس نے میرے قرابتداروں کو اذیت دی تو اس نے یقیناً مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے یقیناً اللہ تعالیٰ کو اذیت دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی تو وہ بلاشبہ تباہ ہو گیا۔

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضور سید عالم رحمت مجسم صلے اللہ علیہ وسلم کو کسی صورت میں بھی اذیت دینا جائز نہیں بلکہ ہلاکت ہے۔ یہاں ذرا غور فرمائیں کہ جب چچازاد ہمشیرہ کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس قدر دکھ پہنچا تو والدین کریمین جو آپ کے سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہیں جب ان کو جنتی تسلیم نہ کیا جائے گا اور اس کے برعکس ایسی ویسی باتیں کی جائیں گی تو اندازہ کرو حبیب خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو کس قدر دکھ اور رنج پہنچے گا اور آپ کو اذیت و رنج پہنچانا خدا تعالیٰ کو اذیت دینا ہے اور خدا تعالیٰ کو اذیت دینا اپنے آپ کو تباہ کرنا ہے لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ کے والدین کریمین نجات یافتہ جنتی مسلمان ہیں۔

واضح رہے کہ ہم نے اب تک حضور سید عالم نور مجسم فخر آدم و بنی آدم صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما کے ایمان اور نجات کے بارے میں مختلف مسالک کا تعارف بیان کیا ہے جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین کے ایمان کا تذکرہ اختصار کے ساتھ آگیا ہے۔

اب ہم اس بحث کو تین قسم کے دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔

۱. قرآن کریم سے استدلال۔
۲. احادیث مبارکہ سے استدلال
۳. علمائے اسلام کے اقوال سے استدلال۔

قرآن کریم سے استدلال

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (پ سورہ بقرہ)

اے ہمارے رب ہماری اولاد میں ایک جماعت مسلمان رکھنا۔

آگے فرمایا،

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا

پ، سب، آیہ ۱۲۸ تا ۱۲۹)

اے ہمارے رب ان (مسلمان جماعت) میں رسول مبعوث فرما۔

مشکوٰۃ شریف میں حدیث نبوی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں دعائے ابراہیم ہوں اور بشارت عیسےٰ ہوں اور میں اپنی ماں کا وہ منظارہ ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا کہ ان سے ایک نور ظاہر ہوا جس سے شام کے محلات تک روشن ہو گئے۔ اس حدیث میں بھی دعائے ابراہیم سے یہی مراد ہے جو اس آیت کریمہ میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی اور آخر زمانہ میں حضور سیدنا ونبینا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ

وسلم کو مبعوث فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ حضور مسلم جماعت سے پیدا ہوئے لہٰذا صرف آپ کے والدین کریمین ہی نہیں بلکہ آپ کے تمام آباؤ امہات مسلم قرار پائے۔

(۲) لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (پ۱۱، ع۵، آیت ۱۲۹)	بے شک تمہارے پاس عظمت والے رسول تشریف لائے ہیں تم میں سے سب سے بہتر۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت میں فا کو فتح (زبر) کے ساتھ پڑھا اور فرمایا کہ میں حسب و نسب کے اعتبار سے تم سب میں نفیس ترین ہوں جس سے معلوم ہوا کہ آپ نفیس ترین جماعت میں پیدا ہوئے اور چونکہ کافر نفیس نہیں بلکہ خبیث ہیں لہٰذا آپ کے والدین کریمین بلکہ سارے آباؤ و اجداد و امہات اعلےٰ درجے کے مومن ہیں۔

۳. وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِيْنَ (پ۱۹، ع۱۵، آیت ۱۱۹)	(اے نبی محترم اللہ تعالےٰ دیکھتا رہا) ساجدین میں تمہارے پھرنے کو۔

اس آیت کی تفسیر میں محققین فرماتے ہیں کہ ساجدین سے مراد مومنین ہیں۔ (جیسا کہ آگے زیر عنوان علماء اسلام کے اقوال سے استدلال میں تفصیل آئے گی) اور معنی یہ ہے کہ زمانہ حضرت آدم و حوا سے لے کر آپ کے والدین کریمین تک مومنوں کی پشتوں اور رحموں میں آپ کے دورے کو رب تعالیٰ ملاحظہ فرماتا رہا ہے جس سے ثابت ہوا کہ آپ کے تمام اصول آباؤ امہات مومن ہیں۔

۴. وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ	مومن غلام بہتر ہے مشرک سے
وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ (پ۲، ع۱۱، آیت ۲۲۱)	اور باندی مومنہ بہتر ہے مشرکہ عورت سے

مذکورہ آیت کے اس حصے سے جو یہاں منقول ہے اس سے صاف طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ مومن غلام اور مومنہ باندی مشرک مرد اور مشرکہ عورت

سے بہتر ہیں اور اگرچہ مشرک مرد اور مشرکہ عورت اعلیٰ خاندان سے کیوں نہ ہوں مگر وہ ایک مومن غلام اور مومنہ باندی سے کم تر ہیں۔ لہٰذا اگر معاذ اللہ آپ کے والدین کریمین کافر و مشرک ہوں تو لازم آئے گا کہ یہ حضرات دیگر مسلمان تو درکنار بلکہ مومن غلام اور مومنہ باندی سے بھی کمتر ہوں، حالانکہ آپ کے حسب ونسب میں بیان ہو چکا ہے کہ خاندان بنو ہاشم برگزیدہ خاندان ہے اور اسی برگزیدہ خاندان کے برگزیدہ چشم و چراغ حضرت عبداللہ ہیں اور چونکہ مشرک برگزیدہ نہیں ہو سکتے تو معلوم ہوا کہ آپ کے والدین ہرگز مشرک نہ تھے، بلکہ موحد اور مومن تھے۔

۵۔ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (پ۱۰، ع۱۰، آیت ۲۸)	بلاشبہ تمام مشرک نرے ناپاک ہیں۔

اس آیت سے صاف طور پر روز روشن کی طرح ثابت ہو رہا ہے کہ مشرک ناپاک ہیں لہٰذا اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین معاذ اللہ مشرک ہوں تو لازم آئے گا کہ وہ بھی ناپاک ہوں اور حضور نعوذ باللہ ناپاک پشتوں اور بطنوں میں جلوہ گر رہے ہوں حالانکہ یہ محض باطل ہے کیوں کہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔

لَمْ يَزَلِ اللّٰهُ يَنْقُلُنِيْ مِنْ اَصْلَابِ الطَّيِّبَةِ اِلَى الْاَرْحَامِ الطَّاهِرَةِ مُصَفًّى مُهَذَّبًا لَا تَتَشَعَّبُ شُعْبَتَانِ اِلَّا كُنْتُ فِيْ خَيْرِهِمَا (خصائص کبریٰ)	اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ مجھے پاک پشتوں سے صاف و مہذب اور پاک رحموں میں منتقل فرمایا جب بھی دو قبیلے بنے تو مجھے ان میں بہترین قبیلے میں رکھا۔

جس سے معلوم ہوا کہ آپ کے صرف والدین کریمین ہی نہیں بلکہ تمام آباء و اجداد اور امہات طیب و طاہر اور موحد تھے۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ (پ ۲۸، ع ۱۴، آیت ۸)

اور عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کے لئے ہے مگر منافقوں کو خبر نہیں۔

اس آیت کریمہ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ حقیقی عزت کا مالک تو اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم رسول معظم صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے ماننے والے ایماندار ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے عزت و کرامت کی خلعت سے سرفراز فرمایا ہے کیونکہ انسانی عزت مال و جاہ سے نہیں، زرق برق لباس میں نہیں بلکہ انسان کی عزت و کرامت کا دارو مدار ایمان اور عمل صالح پر ہے لہٰذا تمام بنی نوع انسان میں معزز و محترم مسلمان قوم ہے۔ کفار اور منافقین معزز و مکرم نہیں بلکہ وہ تو ذلیل و حقیر قوم ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (پ ۹، ع ۱۲، آیت ۱۷۹)

وہ چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ۔

پس ثابت ہو گیا ہے کہ کفار و منافقین جانوروں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ جانور تو اپنے برے بھلے کو جانتے ہیں مگر کفار و منافقین نہیں جانتے کیونکہ انہوں نے ایمان و اخلاص کی بجائے کفر و نفاق اختیار کیا ہے۔ کتا سونگھ کر منہ ڈالتا ہے لیکن کافر شریعت میں حرام و حلال کردہ چیزوں کو مانے بغیر بلا تمیز ہر چیز کو کھا جاتا ہے۔

حضرت حکیم الامت علامہ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیت کے تحت اٹھائیسویں پارے میں لکھا ہے کہ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے، ایک یہ کہ ہر مومن عزت والا ہے کسی مسلم قوم کو ذلیل جاننا یا اسے کمینہ کہنا حرام ہے۔ دوسرے یہ کہ مومن کی عزت ایمان و نیک اعمال سے ہے روپے پیسے سے نہیں، تیسرے یہ کہ مومن کی عزت دائمی ہے فانی نہیں اس

لئے مومن کی نعش اور قبر کی بھی عزت ہے۔ چوتھا یہ کہ جو مومن کو ذلیل سمجھے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل ہے۔ غریب و مسکین مومن عزت والا ہے۔ مالدار کافر کتے سے بدتر ہے۔ (تفسیر نور العرفان)

بہر حال اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے عزت و کرامت کو مسلمانوں میں منحصر فرما دیا ہے اور کافر کتنا ہی قوم دار ہو لئیم و ذلیل ٹھہرا دیا ہے اور کسی لئیم و ذلیل اور حقیر کی اولاد میں سے ہونا کسی عزیز و کریم کے لئے باعث مدح اور سبب افتخار نہیں، لہٰذا کافر باپ دادوں کے حسب و نسب پر فخر کرنا یا مقام مدح میں اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کرنا حرام ہوا جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

مَنِ انْتَسَبَ اِلٰی تِسْعَۃِ اٰبَاءٍ کُفَّارٍ یُرِیْدُ بِھِمْ عِزًّا وَّکَرَامَۃً کَانَ عَاشِرُھُمْ فِی النَّارِ

(رواہ الامام احمد عن ابی ریحانہ بسند صحیح نیز الحاوی للفتاوی جلد ۲ بحوالہ رضوی)

جو شخص عزت و کرامت چاہنے کے لئے اپنی نو پشت کا فر کا ذکر کرے کہ میں فلاں ابن فلاں کا بیٹا ہوں تو ان کا دسواں شخص جہنم میں خود یہی ہوگا۔

اس تشریح سے واضح ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام آباؤ اجداد موحد اور مسلمان تھے کیونکہ اگر انہیں مسلمان نہ مانا جائے تو لازم آئے گا کہ وہ معزز و مکرم نہ ہوں بلکہ کافروں کی طرح ذلیل و حقیر اور بہائم سے بدتر ہوں حالانکہ آپ کے تمام خاندان جن کی پشتوں اور رحموں میں آپ منتقل ہوتے رہے ہیں اپنے زمانہ کے تمام خاندانوں سے افضل و بہتر تھے نیز اگر آپ کے آباؤ اجداد موحد و مسلمان نہ ہوتے تو مذکورہ بالا حدیث کے پیش نظر آپ کبھی بھی اپنے آباؤ اجداد کا ذکر خیر نہ فرماتے حالانکہ احادیث کثیرہ مشہورہ سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنے مناقب و فضائل کے بیان میں نیز مقام رجز و مدح میں بارہا اپنے آباء کرام و امہات

کرام کا ذکر فرمایا ہے چنانچہ غزوہ حنین میں حضرت عباس ابن عبد المطلب وحضرت ابو سفیان ابن حارث ابن عبد المطلب رضی اللہ عنہما نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سواری کی لگام کو مضبوطی سے پکڑی ہوئی تھی کہ بڑھنے نہ پائے اور اس وقت حضور فرما رہے تھے۔

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ، أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ۔

میں سچا نبی ہوں اللہ کا پیارا میں ہوں عبد المطلب کی آنکھوں کا تارا

نیز اسی رجز میں آپ نے مزید یہ بھی فرمایا کہ أَنَا ابْنُ الْعَوَاتِكِ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ۔ یعنی میں بنی سلیم سے ان چند خاندانوں کا بیٹا ہوں جن کا نام عاتکہ تھا۔

علامہ مناوی صاحب تیسیر وامام مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس علامہ جوہری صاحب صحاح، علامہ صنعانی وغیرہم نے کہا ہے کہ نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی جدات میں نو بیبیوں کا نام عاتکہ تھا، علاوہ ازیں ابن بری نے کہا کہ وہ بارہ بیبیاں تھیں جن کا نام عاتکہ تھا۔

لہٰذا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا مقام مدح اور بیان فضائل میں اپنے آبا و اجداد کا ذکر خیر کرنا اس مسئلہ کی روشن ترین دلیل ہے کہ وہ سب کے سب معزز و مکرم اور موحد و مسلمان تھے۔ فالحمد للہ علی ذالک

(من افکفات الامام الہمام الشاہ احمد رضا خان البریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

۷ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

پ ۲۶، س ۴۹، آیت ۱۳۔

اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تمہیں مختلف قومیں اور خاندان بنا دیا ہے تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کی پہچان رکھو، بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے، بے شک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔

شانِ نزول۔ حضور سید عالم نبی محترم رسول معظم شفیع الامم فخر آدم و بنی آدم صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ کے بازار میں تشریف لے گئے اور وہاں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ایک غلام یہ کہہ رہا ہے کہ جو مجھے خریدے وہ مجھے حضور کے پیچھے پنجگانہ نماز پڑھنے سے نہ روکے چنانچہ ایک شخص نے اسے خرید لیا پھر چند دنوں بعد وہ غلام بیمار ہوگیا تو سرکار دوجہاں اس کی تیمارداری کو تشریف لے گئے پھر اس کی وفات ہوگئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے دفن میں شریک ہوئے اس پر بعض لوگوں نے حیرانی کا اظہار کیا کہ غلام اور اس پر اتنا انعام، اس پہ یہ آیت کریمہ اتری جس میں بتلا دیا گیا کہ تم سب انسانوں کی اصل حضرت آدم و حوار کی اولاد ہو اور انکی اصل مٹی ہے تو تم سب کی اصل مٹی ہوئی پھر نسب پر اکڑتے اور اتراتے کیوں، در اصل انسان کو مختلف قوموں، قبیلوں، اور پھر خاندانوں میں بنانے کا مقصد صرف آپس میں ایک دوسرے کی پہچان کے لئے ہے نہ کہ تکبر و غرور کرنے اور شیخی مارنے اور اترانے کے لئے۔

(ماخوذ از تفسیر نور العرفان)

تقویٰ کے فضائل و اقسام۔ یاد رکھو! اللہ کے ہاں فضیلت و برتری اور عزت و کرامت صرف تقویٰ اور طہارت کی بنیاد پر ہے لہٰذا جو شخص جتنا زیادہ متقی اور پرہیزگار ہوگا وہ اسی قدر اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ افضل و اعلیٰ، بہتر و برتر اور معزز و مکرم ہوگا خواہ وہ کسی قوم، کسی قبیلے سے تعلق رکھتا ہو خواہ وہ مالدار ہو، خواہ وہ غریب و مسکین ہو اور جتنا کم درجہ کا متقی و پرہیزگار ہوگا اسی قدر کم درجے کا معزز و مکرم ہوگا۔ لیکن اگر کوئی تقوے و پرہیزگاری سے بالکل خالی ہوگا تو وہ اس کے کسی درجے پر فائز نہیں ہوگا لہٰذا وہ نہ افضل و اعلیٰ ہوگا نہ بہتر و برتر ہوگا اور نہ ہی معزز و محترم ہوگا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں

ذلیل وحقیر ہوگا کیونکہ عزت وذلت کا معیار تقویٰ وعدم تقویٰ ہی سے ہے اور اس دعویٰ پر بے شمار احادیث پیش کی جا سکتی ہیں لیکن یہاں چند احادیث پر اکتفا کرتا ہوں تاکہ اس آیت کریمہ سے جو اصل مقصد ہے وہ بیان کرسکوں۔

(۱) فتح مکہ کے دن حضور نے اپنی اونٹنی قصوٰی پر سوار ہو کر طواف کیا مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، اونٹنی کے بیٹھنے کے لئے بھی جگہ نہ تھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں کے بازوؤں کا سہارا لے کر اونٹنی سے اترے حضور نبی کریم رؤف الرحیم صلے اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَظُّمَهَا بِآبَائِهَا فَالنَّاسُ رَجُلَانِ، رَجُلٌ بَرٌّ تَقِيٌّ كَرِيْمٌ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَرَجُلٌ فَاجِرٌ شَقِيٌّ هَيِّنٌ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى اَلنَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُوْ آدَمَ وَخَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ مِنْ تُرَابٍ۔

(بیہقی شعب الایمان، ترمذی)

(سب تعریفیں اللہ کے لئے) جس نے تم سے عہد جاہلیت کی خامیاں دور کر دیں اور تمہیں تکبر سے پاک کر دیا اے لوگو! انسانوں کے بس دو گروہ ہیں ایک نیک متقی جو اللہ کے نزدیک محترم ہے دوسرا بدکار، بدبخت جو اللہ کے نزدیک حقیر ہے ورنہ سارے انسان حضرت آدم کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔

(۲) حجۃ الوداع کے موقعہ پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ

اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں کسی کالے کو کسی گورے پر اور نہ

وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰی اَسْوَدَ اِلَّا بِالتَّقْوٰی اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اَلَا ھَلْ بَلَّغْتُ قَالُوْا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ

(بیہقی شریف)

گورے کو کسی کالے پر برتری حاصل ہے بجز تقویٰ کے، اللہ تعالےٰ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہوگا۔ لوگو! کیا میں نے اللہ کا حکم پہنچا دیا؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا یا رسول اللہ بے شک آپ نے پہنچا دیا ہے۔ آپ نے فرمایا جو یہاں موجود ہے وہ یہ حکم ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔

(۳) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْئَلُکُمْ عَنْ اَحْسَابِکُمْ وَلَا عَنْ اَنْسَابِکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ

(تفسیر ابن جریر)

بے شک اللہ تعالیٰ روز محشر تم سے تمہارے حسب و نسب کے بارے میں باز پرس نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ محترم وہ ہوگا جو زیادہ متقی ہوگا۔

(۴) صحیح بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ بزرگ کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہوگا۔ لوگوں نے کہا ہم یہ بات نہیں پوچھتے۔ آپ نے فرمایا پھر سب سے زیادہ پرہیزگار حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جو خود

نوٹ۔ یہ تینوں حدیثیں بمعہ ترجمہ تفسیر ضیاء القرآن سے ماخوذ ہیں۔

نبی تھے نبی زادے تھے، دادا بھی نبی تھا پردادا تو خلیل اللہ تھے، انہوں نے کہا ہم یہ بھی نہیں پوچھتے، آپ نے فرمایا پھر عرب کے بارے میں پوچھتے ہو؟ سنو! ان کے جو لوگ جاہلیت کے زمانے میں ممتاز تھے وہی اب اسلام میں بھی پسندیدہ ہیں جبکہ وہ علم دین کی سمجھ حاصل کرلیں۔

(۵) مسند امام احمد میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا خیال رکھو تو سرخ و سیاہ پر کوئی فضیلت نہیں رکھتا، یہاں تقوے و پرہیزگاری میں بڑھ جا تو فضیلت والا ہے۔

(۶) طبرانی میں ہے کہ سب مسلمان آپس میں بھائی ہیں کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقوے کے ساتھ۔

(۷) مسند امام احمد میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر پر تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے سوال کیا، یارسول اللہ! سب سے بہتر کون ہے آپ نے فرمایا جو سب سے زیادہ مہمان نواز، سب سے زیادہ پرہیزگار سب سے زیادہ اچھی بات کا حکم دینے والا، سب سے زیادہ بری بات سے روکنے والا، سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والا ہے۔

(۸) مسند امام احمد میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دنیا کی کوئی چیز یا کوئی شخص بھلا نہیں لگتا تھا، بجز متقی و پرہیزگاری کے۔

(ماخوذ از تفسیر ابن کثیر)

خیال رہے کہ تقویٰ کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) ادنے تقوے یا عوام کا تقوے، تقوے کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ شرک و کفر سے بچنا یعنی مسلمان ہو جانا یہ عوام کا تقوے ہے کہ سب مسلمان اس معنی میں متقی اور پرہیزگار ہیں۔

(۲) خواص کا تقوے۔ تقوے کا دوسرا درجہ ہے کہ اوامر (یعنی جن کاموں کے کرنے کا حکم ہے) بجالانا اور نواہی (یعنی جن کاموں سے روکا

گیا ہے ، سے بچنا یعنی شریعت محمدیہ کے مطابق زندگی گزارنا ہے خواص کا تقویٰ
اس معنٰی میں صرف باعمل ، بلند کردار ، نیکوکار مسلمان اور اولیائے کرام متقی ہیں۔
(iii) أخص الخواص کا تقویٰ ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر اس چیز سے
بچنا اور ہر اس چیز کو چھوڑ دینا جو عبد اور معبود حقیقی کے مابین ربط اور
تعلق میں حائل ہو اور دنیاوی چیزوں سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف
اس طرح متوجہ رہنا کہ ہر لمحہ اور ہر لحظہ اس کی یاد میں اس کے ذکر و فکر
اور اس کے تصور میں مستغرق و منہمک رہا جائے اسی مقام کی نسبت سے
یہ کہا جاتا ہے کہ جو دم غافل سو دم کافر۔

یہ تقویٰ کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے اس پر انبیائے کرام اور
رسل عظام اور خصوصاً حضور خاتم الانبیاء حبیب کبریا حضرت محمد مصطفےٰ احمد
مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم فائز ہیں کیونکہ آپ تو حالت نیند میں بھی یاد خدا
میں مصروف رہتے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ میری آنکھیں سو جاتی ہیں
لیکن میرا دل نہیں سوتا کیونکہ وہ رب تعالیٰ کی یاد میں بیدار رہتا ہے۔

(از افاضات استاذی المکرم حضرت العلام ابو الوفا غلام رسول السعیدی
شارح صحیح مسلم شریف وشیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی)
نیز تفسیر صاوی جلد اول صفحہ)

واضح ہو کہ مذکورہ بالا تقریر سے دو مسئلے ثابت ہو گئے۔
(۱) یہ کہ فضیلت و برتری اور عزت و کرامت تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے
(۲) تقویٰ کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ شرک و کفر ترک کر کے مسلمان ہونا۔
اب اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آباء و امہات خصوصاً والدین
کریمین موحد اور مسلمان نہ ہوں تو لازم آئے گا کہ پھر وہ افضل و اعلیٰ ، بہتر و
برتر اور معزز و مکرم نہ ہوں حالانکہ یہ احادیث کثیرہ صحیحہ کے خلاف ہے
جن میں آپ نے صاف اور واضح الفاظ میں فرما دیا ہے کہ میرا تمام خاندان

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے افضل و اعلیٰ اور بہتر و برتر تھے لہٰذا یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ آپ اپنے خاندان میں جس جس مرد و زن میں جلوہ گر رہے ہیں وہ سب کے سب موحد و مومن تھے کیونکہ کافر و مشرک تو تمام مسلمانوں سے ادنیٰ اور خسیس ترین قوم ہے۔

بہرحال تفصیل تو آگے زیر عنوان "احادیث سے استدلال" میں آئے گی یہاں تبرک حاصل کرنے کے لئے صرف ایک حدیث مبارکہ پیش کرتا ہوں صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُوْنِ بَنِيْ اٰدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰى كُنْتُ مِنَ الْقَرْنِ الَّذِيْ كُنْتُ مِنْهُ	میں نسل آدم میں ہر زمانے کے بہترین لوگوں میں منتقل ہوتا رہا ہوں یہاں تک کہ جس زمانہ میں میں اب ہوں اس زمانے کے بہترین لوگوں میں مجھے بھیجا گیا۔

اس حدیث شریف سے ثابت ہو رہا ہے کہ آپ کے آباؤ اجداد صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کے متقی اور پرہیزگار مسلمان تھے کیونکہ اپنے زمانے کے بہترین لوگوں میں تب شامل ہوں گے جب وہ مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ باعمل، بلند کردار، بے داغ سیرت کے حامل متقی و پرہیزگار ہوں اور چونکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے آباؤ امہات کو بہترین لوگوں میں قرار دیا ہے تو ثابت ہوا کہ آپ کے تمام آباؤ اجداد اور امہات و جدات باعمل صالح اور پرہیزگار مسلمان تھے۔

۸۲) اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ	بے شک جتنے کافر ہیں کتابی اور مشرک سب جہنم کی آگ میں

جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اُولٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ (پ ۳۰، ۹۸، آیت ۶)

ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے وہی تمام مخلوق میں بدتر ہیں۔

اس مذکورہ بالا آیت کریمہ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ کافر خواہ یہود و نصاریٰ ہوں یا مشرکین عرب و عجم ہوں وہ بدترین خلائق ہیں۔

علامہ قاضی محمد ثناء اللہ حنفی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر مظہری میں اس آیت کے آخری حصے شر البریہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں اَیْ شَرُّ الْخَلَائِقِ اجمعین حتی الکلاب والخنازیر یعنی کفار و مشرکین تمام مخلوقات سے انسانوں، جنوں، پرندوں، چرندوں، درندوں، کیڑوں، درختوں، پتھروں یہاں تک کہ کتوں اور خنزیروں سے بھی بدتر ہیں۔

(تفسیر مظہری جلد ۲ ص ۳۱۹)

اب اگر حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے آباؤ امہات خصوصاً والدین کریمین کو مسلمان نہ مانا جائے اور انہیں کافر کہا جائے تو لازم آئے گا کہ وہ بدترین خلائق ہوں حالانکہ یہ عقیدہ احادیث کے خلاف ہے۔

صحیح بخاری شریف کی صحیح حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ کا خاندان اپنے ہر زمانے میں بہترین خلائق رہا ہے نیز اسی صحیح بخاری شریف میں ہے کہ جب قیصر روم نے ابوسفیان سے پوچھا تھا کہ حضور کا حسب و نسب کیسا ہے تو ابوسفیان (جو اس وقت کافر تھا) نے جواب دیا تھا کہ حضور کا خاندان عرب کے اعلےٰ ترین نسب سے تعلق رکھتا ہے اس کے جواب میں قیصر روم نے جواب دیا تھا کہ پیغمبر ہمیشہ اچھے اور شریف خاندان میں ہی تشریف لاتے ہیں۔

(۹) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ (پ ۳۰، س ۹۸، آیت ۷)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے وہی تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ایماندار اور نیک سیرت انسان
مخلوق سے بہتر ہیں چنانچہ علامہ قاضی محمد ثناء اللہ حنفی پانی پتی رحمہ اللہ
اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ ایماندار اور نیک سیرت مسلمان
مخلوق سے بہتر ہیں حتیٰ کہ معصوم فرشتوں سے بھی بہتر ہیں۔
آگے فرماتے ہیں۔

ومن ههنا قالوا ان خواص البشر افضل من خواص الملائكة وعوام البشر اعني المؤمنين الصالحين ارباب القلوب الصافية النفوس الزاكية افضل من عوام الملائكة (تفسیر مظہری جلد ۱ صفحہ ۳۱۹)

اور یہیں سے علمائے اسلام نے کہا کہ خواص بشر (جیسے انبیاء کرام) خواص ملائکہ (جیسے جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل) سے افضل ہیں اور عوام بشر یعنی دلوں کے صاف اور نفوس کے پاک، نیک سیرت مومنین عوام ملائکہ سے افضل ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے آپ نے فرمایا۔

اتعجبون من منزلة الملائكة من الله تعالى والذي نفسي بيده لمنزلة العبد المؤمن من عند الله يوم القيامة اعظم من ذلك۔

(تفسیر کبیر جلد ہشتم صفحہ ۲۵۵)

اے لوگو! کیا تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کے مرتبہ پر رشک کرتے ہو اور (سنو) قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلاشبہ بندہ مومن کی شان اس سے بڑھ کر ہوگی۔

بہرحال مومن کافر سے بدرجہا بہتر ہے لہٰذا اگر معاذ اللہ حضور پرنور
صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو مسلمان نہ مانا جائے تو لازم آئے گا

کہ حضور کے والدین کریمین ایک عام مومن سے بھی کم تر ہوں حالانکہ یہ
احادیث نبویہ کے خلاف ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے بہترین خلائق
یعنی صحابہ کرام کے سامنے انھیں مخاطب کر کے فرمایا میں حسب و نسب
اور ذاتی شرافت کے لحاظ سے تم سب سے بہتر ہوں چنانچہ بیہقی شریف
کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔ میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب
بن ہاشم بن عبد المناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی
بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس
بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ہوں اور یاد رکھو کہ

مَاافْتَرَقَ النَّاسُ فِرْقَتَيْنِ اِلَّا جَعَلَنِيَ اللّٰهُ فِيْ خَيْرِهِمَا فَاُخْرِجْتُ مِنَ الْبَوَيَّ فَلَمْ يُصِبْنِيْ شَيْئٌ مِنْ عَهْدِ الْجَاهِلِيَّةِ وَاُخْرِجْتُ مِنْ نِّكَاحٍ وَّلَمْ اُخْرَجْ مِنْ سِفَاحٍ مِّنْ لَّدُنْ اٰدَمَ حَتّٰى انْتَهَيْتُ اِلٰى اَبِيْ وَاُمِّيْ فَاَنَا خَيْرُكُمْ نَفْسًا وَّخَيْرُكُمْ اَبًا وَفِيْ لَفْظٍ فَاَنَا خَيْرُكُمْ نَسَبًا وَّخَيْرُكُمْ اَبًا ۔ (بیہقی شریف)

کبھی لوگوں کے دو گروہ نہیں ہوئے مگر یہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بہترین گروہ میں رکھا۔ پس یہی وجہ ہے کہ میں اپنے ماں باپ سے ایسا پیدا ہوا ہوں کہ زمانہ جاہلیت کی کوئی چیز جیسے (کفر و شرک، زنا، بدکاری) مجھ تک نہیں پہنچی اور میں خالص اور صحیح نکاح سے پیدا ہوا ہوں

اور یہ سلسلہ (کہ زمانہ جاہلیت کی رسوم سے پاک اور خالص و صحیح نکاح سے پیدا ہونے کا طریقہ) حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر میرے اپنے والدین تک برابر جاری رہا۔ لہذا میں اپنی ذات، شرافت و عظمت کے لحاظ سے تم سب سے افضل و اعلیٰ ہوں اور میں اپنے باپ دادا کی نسبت سے بھی تم سب کے باپ دادا کی نسبت سے میں بہتر و برتر ہوں اور دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں کہ آپ نے فرمایا میں

اپنے حسب ونسب اور خاندان کے لحاظ سے بھی تم سب سے بہتر ہوں اور اپنے باپ دادا کے لحاظ سے تم سب سے بہتر ہوں۔
اس حدیث شریف میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے تو عام نفی فرمادی کہ زمانہ جاہلیت کی کسی چیز نے (خواہ شرک و کفر یا اور کوئی برائی) میرے نسب اقدس میں کبھی کوئی راہ نہیں پائی یہ دلیل خود اس بات کے لئے کافی ہے کہ آپ کے آبا و امہات کفر و شرک اور ہر قسم کی برائی سے پاک رہی ہیں باقی امر جاہلیت کو صرف زنا کے ساتھ مخصوص کرنا ایک تو تخصیص بلا مخصص ہے جو کہ باطل ہے، دوسرا یہ کہ یہ تخصیص لغو ہے کیونکہ آپ نے اپنے اس فرمان سے کہ
خَرَجْتُ مِنْ نِكَاحٍ (میں خالص اور صحیح نکاح سے پیدا ہوا ہوں) زنا کی نفی فرمادی، پھر اس حدیث پاک کے آخر میں آپ نے اپنے پاک سیرت مسلمانوں یعنی صحابہ کرام سے فرمایا کہ میرے آبا و اجداد تم سب کے آبا و اجداد سے بہتر ہیں لہذا مذکورہ بالا قرآن کریم کی آیت مبارکہ اور حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ آپ کے تمام آبا و امہات توحید پرست ایماندار اور نیک سیرت، پرہیزگار مسلمان تھے۔
ماخوذ از شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام۔

(۱۰) اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ	اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت کو رکھتا ہے

(پ ۸، سورۃ ۶، آیت ۱۲۴)

اعلیحضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت مبارکہ اس بات کی روشن ترین دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نبوت و رسالت کے لئے سب سے زیادہ معزز و محترم محل کا انتخاب فرماتا ہے یہی وجہ ہے کہ کبھی کم قوموں، رذیلوں میں رسالت و نبوت

کو کہیں نہیں رکھا گیا، پھر کفر و شرک سے زیادہ رذیل و ذلیل کیا چیز
لہذا یہ کیسے ہو سکتا ہے (بلکہ ناممکن ہے) کہ اللہ تعالیٰ نور رسالت کو
اس میں ودلیعت رکھے کیونکہ کفار و مشرکین، قہر و غضب اور لعنت
ذلت کا محل ہیں جبکہ نور رسالت رکھنے کے لئے رضا و رحمت کا محل
درکار ہے، حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ عفیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
پر ایک بار خوف و خشیت کا غلبہ تھا اور آپ گریہ و زاری فرما رہی
تھیں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یا ام المومنین
کیا آپ یہ گمان رکھتی ہیں کہ اللہ رب العزت نے جہنم کی ایک چنگاری
کو اپنے حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا جوڑا (بیوی) بنایا ہے، حضرت
ام المومنین نے فرمایا فَرَّجْتَ عَنِّي فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْكَ یعنی تم نے میرا غم دور
کیا ہے اللہ تعالیٰ تمہارا غم دور کرے بلکہ خود حدیث شریف میں بھی ہے
جس کو حضرت ہند ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ سرکار
دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ أَبَىٰ لِي أَنْ أَتَزَوَّجَ إِلَّا مِنَ الْجَنَّةِ

(ابن عساکر)

بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لئے نہ مانا کہ میں نکاح میں لانے کا معاملہ کروں مگر اہل جنت سے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے نکاح
میں جہنمی عورتوں کو پسند نہیں فرمایا تو خود حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وسلم
کا نور مبارک محل کفر میں رکھنے یا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا جسم اقدس
کفار کے خون سے بنانے کو کیسے پسند فرماتا، ہرگز نہیں۔

(شمول الاسلام)

(۱۱) وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ

(پ ۳۰، س ۹۳، آیت ۵)

بے شک عنقریب تمہارا رب تمہیں اتنا عطا کریگا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

اعزازِ مصطفیٰ

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جو خزانے حضور علیہ الصلوٰۃ و والسلام کی امت کو ملنے والے تھے وہ ایک ایک کر کے آپ پر ظاہر کر دیئے گئے تو آپ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

تفسیر ابن کثیر، تفسیر مظہری بحوالہ حاکم، بیہقی، طبرانی؛

حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

اِذًا لَّا اَرْضٰی وَ وَاحِدٌ مِّنْ اُمَّتِیْ فِی النَّارِ	جب تک میرا ایک امتی بھی جہنم میں رہے گا میں راضی نہ ہوں گا۔

(تفسیر کبیر، جلد ۸، تفسیر مظہری جلد ۱۰، تفسیر خزائن العرفان تفسیر مدارک التنزیل جلد ۴، تفسیر جلالین؛

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی نے یہاں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک روایت کی ہے۔

حرب بن شریح کہتے ہیں کہ میں نے امام مذکور سے پوچھا کہ جس شفاعت کا ذکر اہل عراق کیا کرتے تھے کیا یہ حق ہے۔ آپ نے فرمایا بخدا حق ہے، مجھ سے حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت بیان کی۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَشْفَعُ لِاُمَّتِیْ حَتّٰی یُنَادِیَ رَبِّیْ اَرَضِیْتَ یَا مُحَمَّدُ فَاَقُوْلُ نَعَمْ یَا رَبِّ رَضِیْتُ۔	بے شک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میں اپنی امت کے لئے شفاعت کرتا رہوں گا یہاں تک کہ میرا رب مجھے پکار کر پوچھے گا اے محمد! کیا آپ راضی

ہو گئے ہیں عرض کروں گا ہاں میرے پروردگار میں راضی ہو گیا۔

اس کے بعد امام باقر نے اس شخص سے کہا کہ اے اہل عراق تم یہ کہتے ہو کہ قرآن کریم کی سب سے امید افزا یہ آیت مبارکہ ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا

(پ ۲۴، س ۳۹، آیت ۵۳)

تم فرما دو اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو، بیشک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے۔

لیکن ہم اہل بیت یہ کہتے ہیں کہ کتاب الٰہی میں سب سے زیادہ امید افزا آیت یہ ہے۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى

تفسیر ضیاء القرآن بحوالہ تفسیر روح المعانی، تفسیر مظہری جلد ہم، تفسیر کبیر جلد ہشتم، مختصراً تفسیر خازن جلد چہارم حصہ ثانی)

امام مسلم نے اپنی صحیح مسلم شریف میں یہ حدیث شریف نقل کی ہے

عَنْ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَا قَوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰى فِيْ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهُ مِنِّيْ وَقَوْلَهُ تَعَالٰى فِيْ عِيْسٰى اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ الْاٰيَة، فَرَفَعَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَدَيْهِ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ وَبَكٰى وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا

حضرت عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت پڑھی جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی کہ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهُ مِنِّيْ (یعنی جس نے میری پیروی کی وہ میرے گروہ سے ہے، پھر یہ آیت پڑھی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کی ان تعذبهم الاية (یعنی اگر تو

جبرئیل اِذْهَبْ اِلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقُلْ لَہٗ اِنَّا سَنُرْضِیْکَ فِیْ اُمَّتِکَ وَلَا نَسُوْءُکَ

(تفسیر ضیاء القرآن بحوالہ صحیح مسلم شریف، تفسیر خزائن العرفان تفسیر مظہری جلد دہم)

انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں، پھر آپ نے اپنے دونوں مبارک ہاتھوں کو دعا کے لئے اٹھایا اور عرض کی الٰہی میری امت میری امت پھر حضور اکرم زار و قطار رونے لگے اللہ تعالٰے نے جبرائیل کو حکم دیا کہ فوراً میرے حبیب کے پاس جاؤ اور اسے جا کر یہ پیغام پہنچاؤ کہ ہم آپ کو آپکی امت کے معاملہ میں راضی کریں گے اور کبھی آپ کو پریشان نہیں کریں گے۔

اس آیت مبارکہ کے تحت حضرت قبلہ صدرالافاضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ صاف دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ وہی کرے گا جس میں رسولِ کریم راضی ہوں اور احادیث شفاعت سے ثابت ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی رضا اس میں ہے کہ سب گناہ گاران امت بخش دیئے جائیں تو آیت و احادیث سے قطعی طور پر نتیجہ نکلتا ہے کہ حضور کی شفاعت مقبول اور حسب مرضی مبارک گناہ گاران امت بخشے جائیں گے۔

سبحان اللہ کیا رتبہ علیا ہے کہ جس پروردگار کو راضی کرنے کے لئے تمام مقربین تکلیفیں برداشت کرتے اور محنتیں اٹھاتے ہیں وہ کریم و رحیم خدا اپنے حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے کے لئے عطائے عام کرتا ہے۔

(تفسیر خزائن العرفان)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے جد امجد سرکار مدینہ سرور قلب وسینہ حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی رضا اسی بات میں ہے کہ کوئی کلمہ گو اہل توحید جہنم کی آگ میں نہ جائے۔

(تفسیر کبیر جلد ہشتم)

خیال رہے کہ اس آیت مبارکہ سے حضور سید عالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اکرام و اعزاز اور آپ کی رضا و محبوبیت یہاں تک ثابت ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آپ کی عزت و جاہت اور رضا، و محبوبیت کی خاطر آپ کی شفاعت کی برکت سے تمام گناہ گاران امت کو بخش دے گا تو کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اکرام و اعزاز اور وجاہت و محبوبیت کا یہی تقاضا ہے کہ آپ کے نافرمان گناہ گاران امتی تو جنت میں انعامات الٰہیہ سے لطف اندوز ہوں اور آرام وسکون سے رہیں اور حضور سید الانبیا، محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ جن کے مقدس خون سے آپ کے جسم اطہر کی پرورش ہوئی وہ نعوذ باللہ کفر کی موت مر کر جہنم کی آگ کے شعلوں کی نذر ہوں، واللہ، باللہ ثم تاللہ، بخدا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، البتہ ایسا عقیدہ رکھنے والا بغیر توبہ مرنے پر جہنم کی آگ کے شعلوں کی نذر ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اکرام و احترام اور اعزاز و اجلال کا ثمرہ ہے کہ آپ کے آباؤ امہات میں سے کسی کے بارے میں قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے شرک وکفر ثابت نہیں بلکہ آپ کے اعزاز و اجلال، عظمت و رفعت اور محبوبیت کی خاطر اللہ تعالیٰ نے آپ کے بعض قرابت دار کافروں کے عذاب میں بھی

تخفیف کردی جیسا کہ صحیح مسلم شریف میں ہے۔

(۱) عَنِ الْعَبَّاسِ ابْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَنَّهُ قَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ هَلْ نَفَعْتَ أَبَا طَالِبٍ بِشَيْءٍ فَإِنَّهُ كَانَ يَحُوْطُكَ وَ يَغْضَبُ لَكَ قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ هُوَ فِيْ ضَحْضَاحٍ مِّنْ نَّارٍ وَلَوْلَا أَنَا لَكَانَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ٥

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ یارسول اللہ کیا آپ نے ابوطالب کو بھی کوئی نفع پہنچایا ہے کیونکہ وہ آپ کی حفاظت کرتا تھا اور آپکی وجہ سے لوگوں پر غضبناک ہوتا تھا، حضور نے جواب میں فرمایا، ہاں، اب وہ جہنم کے صرف بالائی طبقہ میں ہے، اور اگر میری شفاعت سے اس کو نفع نہ پہنچتا تو وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوتا۔

---

(۲) عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ الْحَارِثِ قَالَ سَمِعْتُ الْعَبَّاسَ يَقُوْلُ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ إِنَّ أَبَا طَالِبٍ كَانَ يَحُوْطُكَ وَ يَنْصُرُكَ وَ يَغْضَبُ لَكَ فَهَلْ نَفَعَهُ ذٰلِكَ قَالَ نَعَمْ وَجَدْتُهُ فِيْ غَمَرَاتٍ مِّنَ النَّارِ

حضرت عبداللہ ابن حارث کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عباس سے سنا انہوں نے کہا کہ میں نے حضور سے عرض کیا یارسول اللہ ابوطالب آپ کی حفاظت کرتا تھا، آپکی مدد کرتا تھا، آپکی خاطر لوگوں سے جھگڑتا تھا، کیا ان اعمال نے اس کو کچھ نفع پہنچایا، آپ نے فرمایا، ہاں

فَاَخْرَجْتُهٗ اِلٰى ضَحْضَاحٍ

میں نے اس کو آگ کی گہرائی میں پایا تو میں نے اس کو آگ کے نیچے والے طبقہ سے نکال کر اوپر کے طبقہ میں کر دیا۔

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِىِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذُكِرَ عِنْدَهٗ عَمُّهٗ اَبُوْطَالِبٍ فَقَالَ لَعَلَّهٗ تَنْفَعُهٗ شَفَاعَتِىْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُجْعَلُ فِىْ ضَحْضَاحٍ مِّنَ النَّارِ يَبْلُغُ كَعْبَيْهِ يَغْلِىْ مِنْهُ دِمَاغُهٗ

حضرت ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ حضور کے سامنے ان کے چچا ابوطالب کا تذکرہ ہوا آپ نے فرمایا قیامت کے دن بھی میری شفاعت سے اس کو فائدہ پہنچے گا چنانچہ اس کو دوزخ کے سب سے بالائی طبقہ میں لایا جائے گا جہاں آگ صرف اس کے ٹخنوں تک پہنچے گی جس کی شدت سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِىِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَدْنٰى اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَنْتَعِلُ بِنَعْلَيْنِ مِنْ نَّارٍ يَغْلِىْ دِمَاغُهٗ مِنْ حَرَارَةِ نَعْلَيْهِ

حضرت ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا جہنمیوں میں سب سے کم عذاب ابوطالب کا ہو گا اسے آگ کی دو جوتیاں پہنائی جائیں گی جن کی گرمی کی وجہ سے اس کا دماغ کھول رہا ہو گا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَهْوَنُ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا اَبُوْطَالِبٍ وَّهُوَ مُنْتَعِلٌ بِنَعْلَيْنِ يَغْلِيْ مِنْهُمَا دِمَاغُهٗ

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنمیوں میں سب سے کم عذاب ابوطالب کو ہوگا اس کو آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گی جن سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔

ان احادیث مبارکہ سے ایک فائدہ یہ حاصل ہوا کہ ابوطالب کے عذاب میں کمی کردی گئی دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ یہ تخفیف عذاب قیامت کے بعد بھی حضور کی شفاعت کی برکت سے قائم رہے گی اور صرف ٹخنوں تک عذاب ہوگا۔ تیسرا یہ کہ جہنمیوں میں سب سے کم عذاب ابوطالب کا ہوگا۔

اب غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ ابوطالب کے عذاب میں تخفیف کس وجہ سے ہوگی۔ یا تو حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حفاظت و معاونت، خدمت و تربیت اور غمخواری و پاسداری کے صلہ میں بطور جزائے خیر ہوئی یا پھر قرابت و رشتہ داری کی بنا پر ہوئی جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِيْهِ

(ترمذی شریف، طبرانی کبیر)

آدمی کا چچا اس کے باپ کے قائم مقام ہوتا ہے۔

پہلی صورت تو باطل ہے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اعلان کردیا ہے۔

وَقَدِمْنَا اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا

(پ ۱۹، س ۲۵، آیت ۲۳)

اور ہم متوجہ ہونگے ان (کافروں) کے کاموں کی طرف اور انہیں گرد وغبار بنا کر اڑا دیں گے (برباد کردیں گے)

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ کافروں کے فلاحی اعمال انہیں آخرت میں کوئی فائدہ نہیں دیں گے، لہٰذا دوسری صورت ہی صحیح ہے اور احادیث مذکورہ سے یہی ثابت ہوتا ہے پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر ابوطالب کے عذاب میں کمی خدمت و پرورش کے صلہ میں ہوتی تو پہلے ہی حاصل ہو جاتی حالانکہ ایسا نہیں ہوا کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے فرمایا کہ میں نے ابوطالب کو جہنم کی آگ میں سراپا غرق پایا تو اسے ٹخنوں تک کی آگ میں کھینچ لایا، اگر میں نہ ہوتا تو ابوطالب جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتا۔

لامحالہ یہ کمی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ قرابت کے باعث ہوئی تاکہ سب پر حضور کا اکرام و احترام اور اعزاز ظاہر ہو جائے کہ سب کی قرابتیں اور رشتہ داریاں ختم ہو جائیں گی لیکن سرکار مدینہ سرور قلب و سینہ سے قرابت آپ کے اہل ایمان رشتہ داروں کے ساتھ ساتھ کافر رشتہ داروں کے عذاب میں بھی تخفیف کا باعث بن گئی، نیز ابوطالب کے حق میں قیامت کے دن حضور کی قرابت عذاب میں کمی کا باعث بنے گی۔ جیسا کہ صحیح مسلم شریف کی مذکورہ بالا احادیث مبارکہ میں سے تیسری حدیث شریف میں ثابت ہو چکا ہے بہرحال چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو رشتہ قرابت آپ کے والدین کریمین کو حاصل ہے وہ ابوطالب کو حاصل نہیں۔

اگر معاذ اللہ والدین جنتی نہ ہوتے کافر اور جہنمی ہوتے تو ابوطالب کی نسبت عذاب میں تخفیف اور کمی کے وہ زیادہ مستحق ہوتے کیونکہ والدین کا رشتہ قرابت چچا وغیرہ سے زیادہ ہوتا ہے پھر یہ بات بھی واضح ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو والدین کریمین کے عذاب سے جو دکھ اور رنج ہو سکتا ہے وہ ابوطالب کے عذاب سے نہیں یونہی والدین

کریمین کے عذاب میں کمی سے جو راحت وسکون حضور کو حاصل ہو سکتا ہے وہ ابوطالب کے عذاب میں تخفیف سے نہیں ہو سکتا لہٰذا ایسی صورت میں سب سے ہلکا عذاب انہیں کا ہوتا، حالانکہ حدیث پاک میں ہے کہ جہنمیوں میں سب سے ہلکا عذاب ابوطالب کا ہوگا، پس ثابت ہوا کہ والدین کریمین جنتی اور مسلمان تھے اس لئے احادیث مبارکہ میں ان کے متعلق عذاب میں تخفیف کا ذکر نہیں آیا۔ جب کہ ابوطالب کافر اور جہنمی تھا اس لئے اس کے متعلق احادیث مبارکہ میں عذاب میں تخفیف کا ذکر آیا ہے، نیز اگر پہلی صورت فرض کر لی جائے کہ ابوطالب کے عذاب میں کمی خدمت و پرورش کی وجہ سے ہوئی تو پھر کون سی پرورش جذئیت کے برابر ہو سکتی ہے کیونکہ اولاد والدین کا جزء اور حصہ ہوتی ہے اور کونسی خدمت حمل اور وضع حمل کا مقابلہ کر سکتی ہے کیا کسی پرورش کنندہ یا خدمت گذار کا حق والدین کے حق کے برابر ہو سکتا ہے جس کے حق کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا۔

اِنِ اشْکُرْلِیْ وَلِوَالِدَیْکَ | میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا

پھر ابوطالب نے جہاں برسوں خدمت کی چلتے وقت رنج بھی وہ دیا جس کا جواب نہیں، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بار بار کلمہ پڑھنے کے لئے فرماتے رہے لیکن اس نے کلمہ نہ پڑھنا تھا نہ پڑھا۔ جرم وہ کیا جس کی مغفرت نہیں، عمر بھر معجزات دیکھے، حضور کی سیرت اور تمام احوال کو تازہ بتازہ دیکھتا رہا پھر بھی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اصرار کے باوجود ایمان نہیں لایا۔

اس کے برخلاف والدین کریمین نے نہ زمانہ نبوت پایا، نہ انکو دعوت اسلام دی گئی نہ انہوں نے انکار کیا، ثابت ہوا کہ ہر لحاظ سے

ان کا پلہ بھاری ہے لہذا اگر معاذ اللہ والدین کریمین کافر ہوتے، اور خدمت و پرورش کی وجہ سے عذاب کم ہوتا تو سب سے کم عذاب والدین کریمین کا ہوتا۔ حالانکہ یہ بات احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔ کیوں کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ سب جہنمیوں میں سب سے کم عذاب ابو طالب کا ہوگا۔ تو ثابت ہوا کہ حضور کے والدین کریمین مومن اور مسلمان تھے۔

(ماخوذ از شمول الاسلام)

یہاں تک تو بات تھی ابو طالب کے عذاب میں کمی کی جو زندگی بھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے رہے اور کفار کے شدید دباؤ کے باوجود آپ کی معاونت اور حفاظت کرتے رہے (کاش کہ مسلمان ہو جاتے) لیکن ابو لہب جس کا کفر قطعی اور یقینی ہے جس نے زندگی بھر دین اسلام کی مخالفت کی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخیاں کیں، مگر حضور کا اکرام و اعزاز دیکھیے کہ ابو لہب جیسے قطعی کافر کے عذاب میں بھی تخفیف کر دی گئی کیونکہ اس نے اسلام کی مخالفت سے بہت پہلے اعلان نبوت سے بھی چالیس سال پہلے یعنی حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے پُر مسرت موقع پر جب اسے اس کی لونڈی ثویبہ یا (ثوبیہ) نے حضور کی ولادت باسعادت کی خوشخبری سنائی تو ابو لہب نے اسے آزاد کر دیا پھر زندگی بھر اسلام کی مخالفت کے باوجود جب وہ مرگیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیسی گزر رہی ہے۔ اس نے کہا کہ بہت بری حالت میں عذاب میں مبتلا ہوں البتہ پیر کے دن میری ان انگلیوں سے پانی نکلتا ہے وہ میں چوستا ہوں جس سے مجھے سکون اور راحت ملتی ہے اور میرے عذاب میں کمی آجاتی ہے کیونکہ میں نے

حضور کی ولادت باسعادت کی خوشی میں اپنی لونڈی ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا، جیسا کہ صحیح بخاری شریف میں ہے۔

قَالَ عُرْوَةُ وَثُوَيْبَةُ مَوْلَاةٌ لِأَبِي لَهَبٍ كَانَ أَبُو لَهَبٍ أَعْتَقَهَا فَأَرْضَعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا مَاتَ أَبُو لَهَبٍ أُرِيَهُ بَعْضُ أَهْلِهِ بِشَرِّ حِيْبَةٍ قَالَ لَهُ مَاذَا لَقِيتَ قَالَ أَبُو لَهَبٍ لَمْ أَلْقَ بَعْدَكُمْ غَيْرَ أَنِّي سُقِيتُ فِي هٰذِهِ بِعَتَاقَتِي ثُوَيْبَةَ

(بخاری شریف جلد ۲ صفحہ ۷۶۴)

حضرت عروہ فرماتے ہیں ثویبہ ابولہب کی باندی تھی جسے اس نے حضور کی پیدائش کی خوشی میں آزاد کر دیا تھا اس نے حضور کو دودھ بھی پلایا، ابولہب کے مرنے کے بعد اس کے بعض اہل (حضرت عباس) نے اسے بہت بری حالت میں خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا مرنے کے بعد تیرا کیا رہا ہے؟ ابولہب نے کہا کہ تم سے جدا ہو کر میں نے کوئی راحت نہیں پائی سوائے اس کے کہ میں تھوڑا سا سیراب کیا جاتا ہوں

فتح الباری شرح بخاری شریف میں ہے۔

ذَكَرَ السُّهَيْلِيُّ أَنَّ الْعَبَّاسَ قَالَ لَمَّا مَاتَ أَبُو لَهَبٍ رَأَيْتُهُ فِي مَنَامِي بَعْدَ حَوْلٍ فِي شَرِّ حَالٍ فَقَالَ مَا لَقِيتُ بَعْدَكُمْ رَاحَةً إِلَّا أَنَّ الْعَذَابَ يُخَفَّفُ عَنِّي فِي كُلِّ يَوْمِ اثْنَيْنِ قَالَ وَذٰلِكَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

علامہ سہیلی نے ذکر کیا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابولہب جب مر گیا تو میں نے ایک سال بعد اسے خواب میں دیکھا کہ وہ بہت بری حالت میں ہے اور کہہ رہا ہے کہ تمہارے بعد مجھے کوئی راحت نصیب نہیں ہوئی لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ ہر پیر کے دن مجھ سے عذاب کی کمی

وُلِدَ يَوْمَ اثْنَيْنِ وَكَانَتْ ثُوَيْبَةُ بَشَّرَتْ اَبَا لَهَبٍ بِمَوْلِدِهٖ فَاَعْتَقَهَا ۔

کی جاتی ہے حضرت عباس نے فرمایا یہ اس وجہ سے ہوا کہ جب حضور پیدا ہوئے اور ثویبہ نے ابولہب کو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی خوشخبری سنائی تو ابولہب نے اسے آزاد کر دیا تھا

(فتح الباری شرح بخاری جلد ۹ صفحہ ۱۱۸)

یہ حدیث شریف عمدۃ القاری شرح بخاری طبع جدید جلد ۲۰ صفحہ ۹۵، نیز علامہ بدر الدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تحریر فرمائی ہے

(ماخوذ از میلاد النبی للعلامۃ العلامہ السید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ)

اعتراض، یہاں پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے۔

لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ (پ ۲، س ۲، آیت ۱۶۲)

کفار کے عذاب میں نہ تخفیف ہوگی اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی

لہٰذا جب ابوطالب اور ابولہب ایمان نہیں لائے اور ان کا خاتمہ کفر کی حالت میں ہوا تو ان کے عذاب میں تخفیف (کمی) کیسے ہوگی۔؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں جس کمی کی نفی ہے وہ مدت کے اعتبار سے ہے یعنی کفار کے عذاب مخلد (یعنی ہمیشہ کے عذاب میں) اور دائمی سزا میں تخفیف نہیں ہوگی اور احادیث مبارکہ میں جس تخفیف کا ثبوت ہے وہ کیفیت کے اعتبار سے ہے یعنی عذاب ہوگا تو دائمی اور غیر متناہی (ہمیشہ کے لئے) لیکن اس کی مقدار کو کم دیا جائیگا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ کفار کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی یہ اللہ تعالیٰ کا عدل و انصاف ہے اور جن کفار کے عذاب میں اللہ تعالیٰ تخفیف کرے گا یا فرمائے گا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔

چنانچہ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری شرح بخاری میں

لکھتے ہیں۔

وَقَالَ الْقُرْطُبِيُّ هٰذَا التَّخْفِيْفُ
خَاصٌّ بِهٰذَا وَبِمَنْ وَرَدَ النَّصُّ
فِيْهِ۔ وَقَالَ ابْنُ مُنِيْرٍ فِي الْحَاشِيَةِ
هُنَا قَضِيَّتَانِ اِحْدٰهُمَا مُحَالٌ وَ
هِيَ اِعْتِبَارُ طَاعَةِ الْكَافِرِ مَعَ
كُفْرِهٖ لِاَنَّ شَرْطَ الطَّاعَةِ اَنْ
تَقَعَ بِقَصْدٍ صَحِيْحٍ وَهٰذَا مَفْقُوْدٌ
مِنَ الْكَافِرِ وَالثَّانِيَةُ اِثَابَةُ
الْكَافِرِ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْمَالِ
تَفَضُّلًا مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَهٰذَا
لَا يُحِيْلُهُ الْعَقْلُ فَاِذَا تَقَرَّرَ
ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ عِتْقُ اَبِيْ لَهَبٍ
لِثُوَيْبَةَ قُرْبَةً وَيَجُوْزُ اَنْ
يَتَفَضَّلَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بِمَا شَآءَ
كَمَا تَفَضَّلَ عَلٰى اَبِيْ طَالِبٍ وَ
الْمُتَّبَعُ فِيْ ذٰلِكَ التَّوْقِيْفُ
نَفْيًا وَاِثْبَاتًا قُلْتُ وَتَتِمَّةُ
هٰذَا اَنْ يَقَعَ مِنَ الْكَافِرِ
الْبِرُّ لَهٗ وَنَحْوُ ذٰلِكَ، وَ
اللّٰهُ اَعْلَمُ

(فتح الباری شرح بخاری جلد ۹ صفحہ ۱۱۹)

امام قرطبی نے فرمایا یہ تخفیف عذاب ابولہب
کے ساتھ خاص ہے اور اس شخص کے ساتھ
خاص ہے جس کے حق میں عذاب کے
متعلق تخفیف کی نص (یعنی قرآن کی
آیات یا صحیح حدیث) وارد ہوئی جیسے کہ
ابوطالب کے حق میں، ابن منیر نے کہا یہاں
دو قضیے ہیں ایک تو محال ہے وہ یہ کہ
کافر کے کفر کے ساتھ اس کی نیکی کا لحاظ
کیا جائے محال ہونے کی وجہ یہ ہے کہ
نیکی کا معتبر ہونا ارادہ صحیح کسی شرط کے
ساتھ مشروط ہے اور یہ کافر میں نہیں
پائی جاتی دوسرا قضیہ یہ ہے کہ کافر کو
اس کے کسی عمل پر محض فضل وکرم کے
طور پر کوئی فائدہ پہنچانا اور یہ بات
عقل کے نزدیک محال نہیں اور دونوں
باتیں ثابت ہو گئی تو جاننا چاہیے کہ
ابولہب کا ثویبہ کو آزاد کرنا کوئی معتبر
نیکی نہیں تھی لیکن اس کے اس عمل پر
اگر اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے
کچھ احسان فرما دے تو یہ ممکن ہے جیسا
کہ ابوطالب پر احسان فرمایا اس مسئلے
پر نفی اور ثبوت شریعت کے حکم پر موقوف

ہے جس کے حق میں جو کچھ شریعت میں حکم صادر ہوا ہو اس کی اتباع کی جائے گی۔ میں (ابن حجر عسقلانی) کہتا ہوں کہ علامہ ابن منیر کی اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ ابولہب پر فضل وکرم یا اسی طرح دوسرے جیسے ابوطالب کے حق میں جو فضل واحسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے واقع ہوا ہو وہ اس ذات اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اکرام واعزاز کے لئے ہوتا ہے جس کے لئے کافر نے کوئی نیک کام کیا ہوتا ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ قانون بیان کیا ہے کہ کفار کے عذاب میں تخفیف نہیں ہو گی لیکن بعض اوقات اللہ تعالےٰ اپنے محبوب اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت افزائی کے لئے اپنے قانون میں استثنیٰ فرما دیتا ہے (یعنی کسی حکم کلی میں سے کسی مخصوص فرد کو الگ کر دیتا ہے) جیسے اللہ تعالیٰ نے قانون بنایا ہے کہ معاملاتی امور میں سے ہر نزاعی معاملہ میں دو گواہ ہونے چاہئیں چنانچہ فرمایا:

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ (پ۳) | دو مردوں کو گواہ بناؤ

لیکن ایک موقعہ پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تنہا حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دیا۔

(ابوداؤد شریف ص۵۰۸)

اسی طرح کفار کے بارے میں قانون تو یہی ہے کہ ان کے عذاب میں تخفیف نہیں ہو گی لیکن حضور صلے اللہ علیہ وسلم کسی کے حق میں (باذن الٰہی) شفاعت کر دیں تو پھر بھی تخفیف نہیں ہو سکتی ایسا نہیں ہو سکتا یعنی اللہ تعالیٰ اپنے کلی اور عمومی قاعدہ میں استثناء فرما دے، یہ تو ہو سکتا ہے لیکن (باذن الٰہی) شفاعت میں اپنے محبوب کی بات

مثال دے یہ نہیں ہو سکتا۔

(ماخوذ از شرح صحیح مسلم شریف للعلامۃ الفہامۃ استاذی المکرم ابو الوفا غلام رسول السعیدی)

قَالَ یٰنُوۡحُ اِنَّہٗ لَیۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ ۚ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ (پ ۱۲، س ۱۱، آیت ۴۶)	اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نوح وہ تیرے گھر والوں میں نہیں بے شک اس کے کام بڑے نالائق ہیں۔

خیال رہے کہ اس آیت کریمہ نے مسلمان اور کافر کے درمیان نسبتی قرابت (یعنی خاندانی رشتہ ختم کر دیا کیونکہ دینی قرابت النسبتی قرابت سے زیادہ قوی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کنعان اگرچہ حضرت نوح علیہ السلام کا نسبی بیٹا تھا لیکن چونکہ وہ آپ کے دین پر نہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا خاندانی رشتہ ختم کرکے اعلان کر دیا کہ اے نوح یہ کنعان تیرے گھر والوں سے نہیں اور چونکہ کافر اور مسلمان کے درمیان نسبتی رشتہ منقطع ہو جاتا ہے اس لئے کافر مسلمان کی وراثت کا اور مسلمان کافر کی وراثت کا حقدار نہیں بن سکتا چنانچہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا یَرِثُ الْمُسْلِمُ الْکَافِرَ وَلَا الْکَافِرُ الْمُسْلِمَ (مشکوٰۃ شریف بحوالہ بخاری ومسلم)	مسلمان کافر کا وارث نہیں بن سکتا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا

جب ثابت ہو گیا کہ کافر اور مسلمان کے درمیان نسبتی اور خاندانی رشتہ منقطع اور ختم کر دیا گیا ہے تو اگر معاذ اللہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام آباؤ امہات عموماً اور والدین کریمین خصوصاً کافر ہوتے تو ان کا نسبی تعلق بھی حضور سے منقطع ہوتا حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں

نَحْنُ بَنُو النَّضْرِ بْنِ کِنَانَۃَ لَا نَنْتَفِیْ مِنْ اَبِیْنَا	ہم نضر بن کنانہ کے بیٹے ہیں ہم اپنے باپ دادا سے نسب جدا نہیں کرتے

(شمول الاسلام بحوالہ ابو داؤد، الطیالسی، ابن سعد، امام احمد، ابن ماجہ، حارث، سمویہ)

باوردی، ابن قانع، طبرانی نے کبیر میں ابو نعیم، الضیاء المقدسی نے صحیح المختار میں حضرت اشعث بن قیس کندی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے)

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام آباؤ امہات مسلمان تھے ورنہ حضور ان سے اپنا نسبی تعلق قائم نہ رکھتے بلکہ ختم کر دیتے۔

علاوہ ازیں امام احمد بن حنبل کتاب المناقب میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

يَا مَعْشَرَ بَنِيْ هَاشِمٍ وَّالَّذِيْ بَعَثَنِيْ بِالْحَقِّ نَبِيًّا لَوْ اَخَذْتُ بِحَلْقَةِ الْجَنَّةِ مَا بَدَأْتُ اِلَّا بِكُمْ

(العلم الظاہر فی نفع نسب الطاہر ص۵)

اے جماعت بنی ہاشم سنو! قسم ہے اس ذات اقدس کی جس نے مجھے برحق نبی بنا کر بھیجا جب میں جنت کی کنڈی کھولوں گا تو اس کے اندر جانے کیلئے سب سے پہلے تم سے ابتداء کروں گا۔

واضح رہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے بعد بنی ہاشم میں سے جن اشخاص نے دعوت اسلام ملنے کے باوجود کفر و شرک ترک کر کے اسلام قبول نہیں کیا وہ حضور کے اس اعلان ذیشان سے محروم رہیں گے لیکن حضور کے والدین کو نہ دعوت اسلام پہنچی (کیونکہ وہ اعلان نبوت کے زمانے سے پہلے انتقال کر چکے تھے) اور نہ ان سے کفر و شرک ثابت ہے لہٰذا وہ حضور کے اس مذکورہ بالا اعلان ذیشان سے فائدہ اٹھائیں گے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

۲۔ لَا يَسْتَوِيْ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ

دوزخ والے اور جنت والے برابر نہیں، جنت والے ہی کامیاب ہیں

(پ ۲۸، س ۵۹، آیت ۲۰)

اس آیت کریمہ میں واضح کر دیا گیا کہ جنتی اور دوزخی برابر نہیں بلکہ جنتی دوزخیوں سے تمام درجات میں افضل واعلیٰ ہیں، دنیا میں بھی آخرت میں بھی کیونکہ جنتی مومن، متقی، نیک، سعادت مند، خوش نصیب ہیں اس کے برعکس دوزخی، کافر، فاسق، بدکار، شقی، بدبخت اور بدنصیب ہیں لہٰذا جنتی ایمان، تقویٰ وطہارت اور عمل صالح کی وجہ سے جنت میں اعلیٰ درجات پر فائز ہوں گے اور انعامات الٰہیہ سے سرفراز ہوں گے جب کہ دوزخی کفر و شرک، فسق و فجور اور بدعملی کی وجہ سے دوزخ کے اندر ذلیل و خوار ہوں گے اور دردناک عذابوں میں مبتلا ہوں گے۔

بہرحال مومن ہر لحاظ سے کافر سے بہتر و برتر ہیں اب اگر معاذ اللہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کافر اور دوزخی ہوں تو لازم آئے گا کہ وہ ہر لحاظ سے مسلمانوں سے بدتر ہوں حالانکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا فرمائی تو تمام مخلوق میں سے بنی آدم کو برگزیدہ بنایا اور بنی آدم میں سے عرب کو برگزیدہ بنایا اور عرب میں سے مضر کو اور مضر سے قریش کو برگزیدہ بنایا اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھے برگزیدہ بنایا پس میں برگزیدہ لوگوں سے برگزیدہ لوگوں کی طرف منتقل ہوتا رہا ہوں۔

(الحاوی للفتاویٰ صہ ۲۱ جلد دوم بحوالہ طبرانی، بیہقی، امام ابونعیم)

اس حدیث مبارک سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام آباؤ امہات اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے بہتر و برگزیدہ تھے حالانکہ ہر زمانے میں مسلمان ضرور رہے ہیں ورنہ روئے زمین کے تمام لوگ تباہ و برباد اور ہلاک ہو جاتے لہٰذا آپ کے آباؤ امہات اپنے زمانے کے مسلمانوں سے تب بہتر ہوں گے جب خود مسلمان ہوں اور چونکہ یہ

حضرات اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے بہتر ہیں لہذا ثابت ہوا کہ آپ کے آباؤ امہات جنتی اور مسلمان ہیں، باقی رہا یہ مسئلہ کہ ہر زمانے میں مسلمان ضرور رہے ہیں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ امام عبد الرزاق نے امام بخاری اور امام مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح سند کے ساتھ حضرت معمر سے انہوں نے حضرت ابن جریج سے روایت بیان کی کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

لَمْ یَزَلْ عَلٰی وَجْہِ الدَّھْرِ فِی الْاَرْضِ سَبْعَۃٌ مُسْلِمُوْنَ فَصَاعِدًا فَلَوْلَا ذٰلِکَ ھَلَکَتِ الْاَرْضُ وَمَنْ عَلَیْھَا ۔

روئے زمین پر ہر زمانے میں کم از کم سات مسلمان ضرور رہے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین اور اہل زمین تباہ و برباد اور ہلاک ہو جاتے۔

(الحاوی للفتاوٰی جلد دوم ص۲۱۳)

گستاخ رسول کا انجام

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا ۔

(پ ۲۲، س ۳۳، آیت ۵۷)

بے شک جو لوگ ایذاء دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کی شقاوت و بدبختی اور بد نصیبی کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی بداعمالیوں اور نازیبا اقوال سے ایذاء اور تکلیف پہنچاتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو جس کام اور جس قول سے ایذاء اور دکھ پہنچے وہ حرام ہے چنانچہ علامہ ابن کثیر اس آیت مبارکہ کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت عام ہے اور

جو شخص خواہ کسی طرح بھی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو تکلیف اور دکھ پہنچائے وہ لعنتی اور ذلت ناک عذاب کا مستحق ہے کیونکہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت عین اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد چہارم)

اس آیت کریمہ کے تحت فقیہ العصر حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ حنفی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ ایمان افروز تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

مَنْ اٰذَیٰ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِطَعْنٍ فِيْ شَخْصِهٖ اَوْ دِيْنِهٖ اَوْ نَسَبِهٖ اَوْ وَصْفِهٖ مِّنْ صِفَاتِهٖ اَوْ بِوَجْهٍ مِّنَ الْوُجُوْهِ الشَّيْنِ فِيْهِ صَرَاحَةً اَوْ كِنَايَةً اَوْ تَعْرِيْضًا اَوْ اِشَارَةً كَفَرَ وَلَعَنَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابَ جَهَنَّمَ۔

(تفسیر مظہری جلد ۷ ص ۳۸۱)

یعنی جو شخص رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو خواہ آپ کی ذات اقدس میں خواہ آپ کے سچے دین میں خواہ آپ کے حسب ونسب اور پاک خاندان میں خواہ آپ کی صفات عالیہ میں کسی صفت مقدس میں طعن و تشنیع اور تنقیص و توہین کرکے ایذاء اور دکھ پہنچائے یا برائی کے طریقوں میں سے کسی برے طریقے کے ساتھ آپ پر تہمت لگائے اور یہ سب صراحت کے ساتھ ہوں یا کنایہ کے ساتھ ہو اشارہ کے ساتھ ہو یا بطور رمز بات کرے ہر حال میں وہ کافر ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہوگی۔ دنیا اور آخرت میں اور اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کے لئے جہنم کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

حضرت قاضی صاحب کی مذکورہ بالا ایمان افروز اور عشق و محبت

سے لبریز اور عقیدت و نیاز مندی سے بھر لور جامع تقریر سے دیگر مسائل
کے علاوہ ایک مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے حسب و
نسب میں طعن کرنا خواہ عقائد و نظریات کے اعتبار سے ہو اخواہ
اعمال و سیرت کے اعتبار سے ہو ہر حال میں کفر ہے جو لوگ حضور اکرم
صلے اللہ علیہ وسلم کے آباؤ امہات خاص کر آپکے والدین کریمین کے
بارے میں کفر و شرک کا عقیدہ رکھ کر ان حضرات کو کفر و شرک جیسے
بدترین عیب کے ساتھ داغدار کرتے ہیں اور انہیں جہنمی اور دوزخی
ہونے کی گالیاں دیتے ہیں وہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو ایذا اور
دکھ پہنچا کر کافر ہو جاتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک

اس لئے تمام کلمہ گو مسلمانوں کو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے
آباؤ امہات خاص کر آپکے والدین کریمین کے بارے میں کم از کم توقف
اور خاموشی ضرور اختیار کرنی چاہیئے۔

چنانچہ اعلٰحضرت عظیم البرکت مجدد دین و ملت حضرت امام الشاہ
احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی ایک کتاب
"شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام" میں لکھا ہے کہ علامہ امام
ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح میں فرماتے ہیں۔

مَا اَحْسَنَ قَوْلُ التَّوْفِيْقِ فِيْ هٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ الْحَذَرُ الْحَذَرُ مِنْ ذِكْرِهِمَا بِنَقْصٍ فَاِنَّ ذَالِكَ قَدْ يُوْذِيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخَبَرِ الطَّبْرَانِيْ لَا تُؤْذُوْا الْاَحْيَاءَ بِسَبَبِ الْاَمْوَاتِ۔

یعنی کیا خوب فرمایا ہے ان بعض علمائے کرام نے جنہیں اس مسئلہ میں توقف تھا کر دیکھو اور بچو والدین کریمین کو کسی نقص کے ساتھ ذکر کرنے سے۔ کیونکہ اس سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یقیناً دکھ اور رنج پہنچے گا

جیسا کہ طبرانی شریف میں حدیث مبارک ہے کہ مردوں کو برا بھلا کہہ کر

زندوں کو ایذا نہ دو۔

یعنی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تو زندہ ہیں جیسے حدیث پاک میں آیا ہے

اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرْزَقُ

(جلاء الافہام صفحہ حدیث عنبش)

بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام کے مبارک جسموں کو کھا سکے کیونکہ اللہ تعالےٰ کا ہر نبی (پیغمبر) زندہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق ملتا ہے۔

پس یہی وجہ ہے کہ آپ ہمارے تمام افعال و اقوال پر لعطاء الٰہی مطلع ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (پ، س، آیت ۶۱)

جو لوگ رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں انکے لئے دردناک عذاب ہے۔

عقل مند کو چاہیئے کہ ایسی جگہ سخت احتیاط سے کام لے۔

ہشدار کہ رہ بر دم تیغ ست قدم را

ہوشیار رہو جس راہ پر میں چلتا ہوں وہ پاؤں کے لئے تلوار ہے۔

یہ مانا کہ مسئلہ قطعی نہیں، اجتماعی نہیں پھر اُدھر کونسا قطع کون اجماع ہے آدمی اگر ادب کی جانب میں غلطی کرے تو لاکھ جگہ بہتر ہے اس سے کہ معاذ اللہ اس کی غلطی گستاخی کی جانب کی جائے۔ جس طرح حدیث شریف میں ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ الْاِمَامَ لَاَنْ یُّخْطِیَ فِی الْعَفْوِ خَیْرٌ مِّنْ اَنْ یُّخْطِیَ فِی الْعُقُوْبَۃِ

جہاں تک ہو سکے حدود کو ٹال دو کیونکہ امام کا معاف کر دینے میں غلطی کرنا سزا دینے میں غلطی کرنے سے بہتر ہے۔

(ابن ابی شیبہ، جامع ترمذی، حاکم صحیح سند کے ساتھ بیہقی شریف معظم اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت)

حجۃ الاسلام امام غزالی قدس سرہ العالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ مسلمان کی طرف کبیرہ گناہ کی نسبت کرنا جائز نہیں جب تک تواتر سے ثابت نہ ہو لہذا جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف معاذ اللہ اولاد چنین و چناں سے ہونا بغیر تواتر کے کیسے نسبت کر دیا جائے۔

پھر یقین برہانی کا انتفاء حکم وجدانی کا نافی نہیں ہوتا کیا تمہارا وجدان ایمان گوارا کرتا ہے کہ جناب مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے سرکار نوربار کے ادنیٰ سے ادنیٰ غلاموں کے غلام بارگاہ رب العزت کی طرف سے جنت نعیم میں بلند و بالا صوفہ سیٹوں پر گاؤ تکیے لگائے چین سے بیٹھیں اور انعامات سے لطف اندوز ہوں، راحت و سکون حاصل کریں اور جن کے تصدق میں جنت بنی ان کے ماں باپ دوسری جگہ معاذ اللہ قہر و غضب اور عذاب و تکلیف میں مبتلا ہو کر مصیبتوں کو برداشت کریں ہاں یہ سچ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ جو غنی وحمید ہے پر حکم نہیں کر سکتے۔ پھر دوسرے حکم کی کس نے گنجائش دی ہے ادھر کونسی دلیل قاطع پائی۔

حاش ﷲ ایک حدیث بھی صحیح نہیں جو صریح ہے ہرگز صحیح نہیں اور جو صحیح ہے ہرگز صریح نہیں جس کی طرف ہم نے اجمالی اشارے کر دیئے ہیں تو کم از کم درجہ وہی سکوت ہے۔

(ماخوذ من شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام)

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گستاخ رسول کا حکم اور دنیا میں اس کے لئے شرعی سزا کا ثبوت بھی مہیا کر دیا جائے تاکہ قارئین کرام اس کے انجام بد سے پوری طرح آگاہ ہو جائیں۔

گستاخِ رسُول کے لئے شرعی حکم

یہ ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی گستاخی اور بے ادبی چونکہ حرام

ہے اور کفر ہے اس لئے گستاخ رسول بحکم شریعت کافر ہے۔ یہاں چند قرآنی آیات پیش کی جاتی ہیں اور احادیث مبارکہ آئندہ صفحات پر "گستاخ رسول کی شرعی سزا" کے ضمن میں بیان کر دی جائیں گی۔

یہ بھی خیال میں رہے کہ ہم نے ابھی شروع میں دو آیتیں بیان کی ہیں جن میں سے پہلی آیت میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں ایذاء اور دکھ پہنچانے والے گستاخ کو دنیا اور آخرت میں لعنتی قرار دیا گیا ہے اور آخرت میں ذلت ناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ دوسری آیت میں دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے لہٰذا شیطان کی طرح گستاخ کو دنیا و آخرت میں لعنتی قرار دیا جانا اس بات کی روشن ترین دلیل ہے کہ حضور نبی اکرم رسول اعظم محبوب محتشم فخرِ آدم و بنی آدم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بے ادبی اور گستاخی کرنا حرام اور کفر ہے پھر ذلت ناک عذاب اور دردناک عذاب کی وعید بے ادب اور گستاخ کو کافر قرار دینے کے لئے کافی دلیل ہے کیونکہ یہ دونوں عذاب کافروں کے لئے مخصوص ہیں۔

علاوہ ازیں دیگر چند آیات قرآنی یہ ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۝	اے ایمان والو میرے حبیب سے کلام کرتے وقت، رَاعِنَا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر کرم رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

(پ ا س ۲، آیت ۱۰۴)

اس آیت کریمہ کا شان نزول مفسرین کرام نے اس طرح بیان کیا ہے کہ جب صحابہ کرام وعظ سننے کے لئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے تو بعض دفعہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی ارشاد گرامی کو اچھی طرح

سمجھ نہ سکتے تو عرض کرتے یَارَسُوْلَ اللّٰہِ رَاعِنَا یعنی اے رسول خدا ہم پوری طرح سمجھ نہیں سکے لہذا ہماری رعایت فرماتے ہوئے دوبارہ سمجھا دیجئے لیکن یہود کی عبرانی زبان میں اس لفظ " رَاعِنَا " کے معنی تھے چرواہا، احمق، اسن نہ سنا جائے، جب یہود نے مسلمانوں کو یہ لفظ کہتے ہوئے سنا تو آپس میں کہنے لگے اب ہم اس لفظ کے ذریعے نہایت رازداری کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کریں گے، چنانچہ یہ لوگ بارگاہ اقدس میں حاضر ہوتے اور سب کے سامنے یہی لفظ بری نیت سے بولتے اور آپس میں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنستے اور چونکہ صحابہ کرام عبرانی زبان سے ناواقف تھے اس لئے انہیں ان خبیثوں کی شرارتوں کا علم نہ ہوتا تھا لیکن حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ یہود کی عبرانی زبان سے واقف تھے لہذا انہوں نے یہی لفظ یہودیوں کو بولتے ہوئے سنا تو ان سے فرمایا کہ

یَا اَعْدَآءَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالَّذِیْ بِیَدِہٖ لَئِنْ سَمِعْتُھَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْکُمْ یَقُوْلُھَا لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاَضْرِبَنَّ عُنُقَہٗ

اے اللہ کے دشمنو! تم پر خدا کی لعنت ہے مجھے قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر آئندہ تم میں سے کسی نے یہ لفظ حضور نبی اکرم رسول محترم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بولا تو میں ضرور ضرور ضرور اس کی گردن مار دوں گا۔

یہودیوں نے کہا ہم پر تو ناراض ہو رہے ہو لیکن مسلمان بھی یہی کہتے ہیں اس پر حضرت سعد رنجیدہ ہو کر حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہی تھے کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کو بھی اس لفظ کے استعمال کرنے سے منع کر دیا گیا تاکہ یہود آئندہ اس لفظ کے ذریعے

حضور کی ذات اقدس میں بے ادبی نہ کر سکیں۔
(تفسیر کبیر جلد اول، تفسیر خازن جلد اول، تفسیر صاوی جلد اول تفسیر خزائن العرفان)
اس آیت کریمہ سے تین مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ حضور کی بارگاہ میں بے ادبی کا لفظ بولنا حرام ہے دوسرا یہ کہ گستاخی اور بے ادبی حرام اور ممنوع ہے تب ہی تو توہین آمیز لفظ استعمال کرنے سے منع کر دیا گیا ہے تیسرا یہ کہ گستاخ رسول کافر اور مرتد ہے اسی لئے تو وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فرمایا گیا ہے، چوتھا یہ کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے قول سے واضح ہوا کہ گستاخ رسول کی سزا قتل ہے۔

قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ۔

تم فرماؤ کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے تم ہنستے ہو، تم بہانے نہ بناؤ تحقیق تم کافر ہو چکے ہو مسلمان ہو کر۔

شانِ نزول۔ غزوہ تبوک میں جاتے ہوئے حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں کے علاوہ منافقوں کا ایک گروہ بھی تھا جن میں تین آدمی ودیعہ بن ثابت، جلاس بن صامت، مخشی بن حمیر اشجعی جا رہے تھے کہ ان میں سے دو بطور طعنہ زنی آپس میں کہنے لگے کہ حضور کا خیال ہے کہ ہم روم پر غالب آ جائیں گے اور اب چلے ہیں کہ رومیوں کے قلعے اور ان کے محلات فتح کر لیں گے یہ بالکل غلط ہے بھلا انکی اس عقلمندی اور دوربینی کو تو دیکھئے کہ انہوں نے رومیوں کی لڑائی کو عرب کی آپس کی جیسی لڑائی سمجھ لیا ہے، حالانکہ یہ سوخت خطرناک غلطی ہے، چلو اچھا ہوا انہیں وہاں پہنچنے دو ہم بھی یہاں انکی درگت منائیں گے۔ تیسرا مخشی بن حمیر خاموش تھا مگر ان کی باتوں کو سن کر ہنستا تھا، حضور نے بلا کر پوچھا تو کہنے لگے ہم تو صرف راستہ

کاٹنے کے لئے دل لگی کرتے جا رہے تھے اور یونہی وقت گزارنے کے لئے ہنس بول رہے تھے، آپ نے فرمایا تمہاری ہنسی اور مذاق کے لئے اللہ اور رسول اور قرآن ہی رہ گیا ہے اس پر مخشی بن حمیر اشجعی نے سچی توبہ کر لی اور مسلمان ہو گیا، تب یہ آیات نازل ہوئیں جن میں واضح کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے بارے میں گستاخی کرنا کفر ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں توہین وتنقیص اور گستاخی وبے ادبی کرنے والا کافر اور مرتد ہے۔

نوٹ۔ ان آیات کی پوری تفصیل تفسیر مظہری، تفسیر ابن کثیر، تفسیر صاوی، تفسیر خزائن العرفان میں انہی آیات کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ (پ۱، س۲، آیت ۳۴)	اس نے تعمیل حکم سے، انکار کیا، اور غرور کیا اور کافر ہو گیا۔

پس منظر۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تاج خلافت عنایت کرنے کے لئے دولت علم کی خلعت سے سرفراز فرمایا تو تمام فرشتوں کے ساتھ ان کے استاد شیطان کو بھی حکم دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو، اس پلید نے تعمیل حکم کی بجائے تکبر کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کی شان اقدس میں دو گستاخیاں کر دیں، ایک یہ کہ

أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَّخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ (پ۸، س۷، آیت ۱۲)	بولا کہ میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے۔

یہاں شیطان نے سجدہ نہ کرنے کی ایک وجہ بیان کی ہے کہ اگر حضرت آدم علیہ السلام اس کے خیال میں اس سے بہتر ہوتے تو وہ ضرور سجدہ کرتا کیونکہ مسجود (جسے سجدہ کیا جائے) کا ساجدین (یعنی سجدہ کرنے والوں سے) افضل ہونا لازمی ہے اور حقیقت بھی یہی تھی کہ مسجود یعنی

حضرت آدم علیہ السلام تمام ساجدین (یعنی تمام فرشتوں اور شیطان) سے افضل تھے لیکن شیطان کا خیالِ باطل یہ تھا کہ میں حضرت آدم علیہ السلام سے افضل اور بہتر ہوں اس لئے مجھے سجدہ نہیں کرنا چاہیئے۔ چنانچہ علامہ قاضی ثناء اللہ حنفی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں کہ

قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ کَوْنِیْ خَیْرًا مِّنْہُ یَمْنَعُنِیْ لِلْفَاضِلِ اَنْ یَّسْجُدَ لِلْمَفْضُوْلِ

شیطان نے کہا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ میں اس سے بہتر ہوں اور بہتر کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اپنے سے کم تر کو سجدہ کرے۔

(تفسیر مظہری جلد سوم ص ۳۳۲، تفسیر بیضاوی جلد اول، تفسیر ابو سعود جلد اول ص ۲۱۹)

اس پس منظر کے بیان کرنے سے غرض یہ ہے کہ شیطان صرف حضرت آدم علیہ السلام کی توہین اور بے ادبی کی وجہ سے کافر ہوا ہے ورنہ آجکل کتنے مسلمان ہیں جو حاکم مطلق، خالق کائنات رب العزت کے حضور سجدہ ریز نہیں ہوتے لیکن پھر بھی وہ مسلمان ہیں۔

چنانچہ مفسرین کرام نے اَبٰی کی تفسیر اِمْتَنَعَ مِنَ السُّجُوْدِ یا اِمْتَنَعَ عَمَّا اُمِرَ بِہٖ کے الفاظ سے کی ہے۔

(تفسیر جلالین، تفسیر خازن، تفسیر مظہری تفسیر بیضاوی، تفسیر ابو سعود)

یعنی شیطان مردود کو سجدہ کرنے کا جو حکم ملا تھا اس کا اس نے انکار نہیں کیا بلکہ اس کی تعمیل سے رک گیا، جیسا کہ علامہ قاضی ناصر الدین بیضاوی اور علامہ ابو سعود نے فرمایا لَا بِتَرْکِ الْوَاجِبِ وَحْدَہٗ یعنی شیطان پلید صرف واجب (یعنی سجدہ) کے ترک سے کافر نہیں ہوا بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کی توہین کرنے کی وجہ سے کافر ہوا۔

(تفسیر بیضاوی، تفسیر ابو سعود)

شیطان کی دوسری گستاخی

قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ (پ ۱۴، ش ۱۵، آیت ۳۳ تا ۳۵)

وہ (گستاخ) بولا مجھے گوارہ نہیں کہ میں بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے بجتی مٹی سے بنایا جو سیاہ بودار گارے سے تھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اے بے ادب) تو جنت سے نکل جا کہ تو مردود ہے اور بے شک قیامت تک تجھ پر لعنت ہے

اس بدنصیب کی نظر صرف حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ کو دیکھ سکی لیکن وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (میں نے اس میں اپنی روح پھونکی) کے راز کو نہ سمجھ سکی اور ایسی ٹھوکر کھائی کہ عمر بھر کی نیکیاں مسترد کر دی گئیں اور ہمیشہ کے لئے درِ رحمت سے دھتکار دیا گیا آج بھی کئی لوگ جمالِ مصطفوی کی رعنائیوں کو نہیں دیکھتے اور اپنے جیسا بشر کہنے کی جسارت کرتے ہیں انہیں شیطان کے انجام سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔

(تفسیر ضیاء القرآن جلد دوم)

واضح رہے کہ حضرت آدم علیہ السلام میں دو جہتیں تھیں ایک وصفِ نبوت اور شانِ خلافت کی، دوسری بشریت محض کی، فرشتوں کی نظر صفتِ نبوت اور شانِ خلافت پر پڑی، وہ سجدہ میں گر گئے۔ لیکن شیطان مردود کی نظر محض بشریت پر پڑی اور اس نے تعمیل حکم سے انکار کر دیا کہ یہ خاکی اور کثیف ہے اور میں ناری اور لطیف ہوں لہذا میں اس سے بہتر ہوں یہ بھی شیطان لعین کے کفر کی دوسری وجہ کہ اس نے محترم نبی کی بشریت کو ملحوظ رکھا اور کمالات نبوت اور شانِ خلافت کو نہ دیکھا، حقیقت تو یہ ہے کہ جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام

کہ جنس بشر اور نوع انسان سے ہونے کا انکار گمراہی اور بے دینی ہے اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کے بے شمار فضائل و کمالات سے نظروں پھیر کر صرف انکی بشریت محضہ کو پیش نظر رکھ کر اپنے جیسا بشر کہنا اور سمجھنا بھی بے دینی اور کفر ہے کیونکہ قرآن کریم کے بیان کیمطابق انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنے جیسا بشر کہنا کفار کا دستور ہے۔

یہاں بطور نمونہ قرآن کریم کی چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔

ع اشارہ ہے کافی اہل خرد کو

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا (پ۱۲، س۱۱، آیت۲۷)

پس حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ ہم تو تمہیں اپنے جیسا بشر ہی سمجھتے ہیں۔

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (پ۱۸، س۲۳، آیت۲۴)

پس حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ یہ نہیں ہے مگر تم جیسا بشر۔

اس سورت کے تیسرے رکوع میں حضرت ہود علیہ السلام یا حضرت صالح علیہ السلام کا ذکر ہے کہ جب انہوں نے اپنی قوم کو توحید الٰہی کی دعوت دی تو

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ وَأَتْرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ إِنَّكُمْ

اور انکی قوم کے سرداروں نے کہا جنہوں نے کفر کیا اور آخرت کی حاضری کو جھٹلایا اور ہم نے انہیں دنیا کی آسائش دی تھی کہ یہ تو نہیں مگر تم جیسا بشر جو تم کھاتے ہو اسی میں سے وہ کھاتا ہے اور جو تم پیتے ہو اسی میں سے وہ پیتا ہے اور اگر تم نے کسی اپنے جیسے بشر کی اطاعت کی تو

اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ (پ۱۸، س۲۳، آیت ۳۴) تم ضرور گھاٹے میں رہو گے۔

اس رکوع کے اخیر میں ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسےٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا۔

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ۝ فَقَالُوْا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ (پ۱۸، س۲۳، آیت ۴۶، ۴۷)

تو انہوں نے غرور و تکبر کیا اور وہ لوگ بڑے سرکش تھے تو انہوں نے کہا کیا ہم ایمان لے آئیں اپنے جیسے دو بشروں پر حالانکہ انکی قوم ہماری غلام ہے

قَالُوْا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (پ۱۹، س۲۶،

قوم ثمود نے کہا اے صالح تم تو ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہے نہیں ہو تم مگر ہمارے جیسے بشر، ورنہ لاؤ کوئی معجزہ اگر تم سچوں میں سے ہو۔

قَالُوْا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ (پ۱۹، س۲۶، آیت ۱۸۵، ۱۸۶)

ایکہ بستی کے باشندوں نے کہا اے شعیب تم ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہے اور نہیں ہو تم مگر ہمارے جیسے بشر، ہم تو تمہارے متعلق یہ خیال کرتے ہیں کہ تم جھوٹوں میں سے ہو۔

وَاِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ (پ۲۲، س۳۶، آیت ۱۴، ۱۵)

جب ہم نے اصحاب قریہ کی طرف دو رسول بھیجے تو انہوں نے ان کو جھٹلایا پھر ہم نے تیسرے رسول کے ساتھ انکی مدد کی تو ان تینوں نے کہا کہ بے شک ہم تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں، وہ بولے تم تو نہیں مگر ہمارے جیسے بشر اور رحمٰن

نے کچھ نہیں اتارا۔ تم تو صرف جھوٹے ہو

مذکورہ بالا آیات شریفہ سے واضح ہو گیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو فضائل و کمالات کے جامع القابات کی بجائے، اپنے جیسا بشر کہنا کافروں کا دستور ہے نیز جس طرح شیطان مردود نے حضرت آدم علیہ السلام کو حقارت کی نظر سے بشر کہا بالکل اسی طرح کافر قوموں کے سرداروں نے انبیاء کرام علیہم السلام کو عوام کی نظروں میں معمولی انسان ثابت کرنے کے لئے حقارت کی نظر سے اپنے جیسا بشر کہا تاکہ عوام ان عظیم الشان پیغمبروں کی قیادت کو قبول کر کے ان کی اطاعت و پیروی کرنے میں نہ لگ جائیں۔

اللہ تعالیٰ تمام کلمہ گو مسلمانوں کو بزرگان دین کے ادب و احترام کی توفیق عطا فرمائے۔

ع بے ادب بے مُراد، با ادب با مُراد

حضور نبی اکرم نور مجسم سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَیَعْرِفْ شَرَفَ کَبِیْرِنَا،	وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کی فضیلت کو نہیں پہچانتا۔

(ریاض الصالحین بحوالہ ابوداؤد شریف، ترمذی شریف وقال الترمذی حدیث صحیح)

بہر حال شیطان کے واقعہ سے ثابت ہوا کہ پیغمبر کی بے ادبی اور گستاخی کفر ہے جب کہ ہمارے آقا و مولیٰ سرکار مدینہ صلے اللہ علیہ وسلم پیغمبروں کے پیغمبر ہیں اور امام الانبیاء، نبی الانبیاء، خاتم الانبیاء، سید المرسلین ہیں۔ ان کی بے ادبی و گستاخی کتنا بڑا کفر ہوگا۔

گستاخ رسول کی شرعی سزا کا ثبوت

اب ہم یہاں گستاخ رسول

کی شرعی سزا کے ثبوت کے لئے چار اصولوں سے بحث کریں گے۔ اور یہ
تمام بحث حضرت علامہ السید محمد امین الدین آفندی الشہیر ابن العابدین
(مصنف رد المحتار عرف فتاوےٰ شامی) رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف لطیف
تنبیہ الولاۃ والحکام علےٰ شاتم خیر الانام (الخ) سے چند اقتباسات کی صورت
میں پیش کریں گے۔

پہلا اصول ، کتاب اللہ

یعنی قرآن کریم ہے جو سب سے اہم اور سب کی بنیاد ہے۔

دوسرا اصول ، سنت رسول

یعنی حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث نبویہ ہیں۔

تیسرا اصول ، اجماع امت

یعنی علماء دین کا کسی مسئلے پر اتفاق کرنا۔

چوتھا اصول ، قیاس

کسی منصوص شرعی کے حکم کو علت مشترکہ کی بناء پر کسی غیر منصوص
مسئلہ پر لاگو کر دینا۔

قرآن کریم سے ثبوت

(۱) اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَہُمْ عَذَابًا مُّہِیْنًا (پ ۲۲)	بے شک جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو، ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔
(۲) وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ لَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (پ ۱۰)	اور جو لوگ رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔
(۳) مَلْعُوْنِیْنَ اَیْنَمَا ثُقِفُوْا اُخِذُوْا	پھٹکارے ہوئے جہاں کہیں ملیں، پکڑے

وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا (پ ۲۲، ع ۳)	لئے جائیں اور گن گن کر قتل کر دیئے جائیں

قرآن کریم کی ان تینوں آیات (نیز ہماری پیش کردہ آیات قرآنیہ) سے ثابت ہوا کہ گستاخ رسول کافر اور مرتد ہے اور (نیز ہماری پیش کردہ آیات یاایھا الذین آمنوا لا تقولوا راعنا الخ) کے تحت حضرت سعد بن معاذ کے واقعہ سے بھی ثابت ہوا کہ اس کی سزا قتل ہے۔

سنت رسول سے ثبوت

یہاں ترتیب وار چند احادیث مبارکہ پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) بخاری شریف اور مسلم شریف میں ہے کہ جب قصۂ افک (حضرت عائشہ صدیقہ پر بہتان تراشی کا حادثہ) پیش آیا اور منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول نے بہتان تراشی کو پروان چڑھانے کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کئے تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے اور منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا اور اس خطبہ میں آپ نے فرمایا۔

مَنْ يَعْذُرُنِي مِنْ رَجُلٍ قَدْ بَلَغَنِي أَذَاهُ فِي أَهْلِي	اے مسلمانوں کی جماعت! اس شخص کے بارے میں مجھے کون معذور رکھتا ہے جس کی اذیت رسانی میرے اہل خانہ کے بارے میں مجھ تک پہنچی ہے۔

قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ کھڑے ہو گئے اور عرض کی یارسول اللہ اس کام کے لئے میں حاضر ہوں اگر وہ شخص قبیلہ اوس سے ہے تو ہم اس کی گردن اڑا دیں گے اور اگر ہمارے بھائی قبیلہ خزرج سے ہے تو آپ ہمیں حکم دیں ہم تعمیل حکم میں اسکی گردن مار دیں گے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ قول اس بات کی روشن ترین دلیل ہے کہ صحابہ کرام کے نزدیک حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو ایذا، اور دکھ پہنچانے والے شخص کا قتل اعلانیہ واجب ہے پھر حضور نے اسے برقرار رکھا اور انکار نہ کیا اور نہ یہ فرمایا کہ اسے قتل کرنا ناجائز ہے جس سے ثابت ہوا کہ گستاخ رسول کو اعلانیہ قتل کر دینا واجب اور ضروری ہے
سنن ابو داؤد شریف میں ہے کہ حضرت مصعب بن سعد اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام لوگوں کو امان دے دی سوائے چار مردوں اور عورتوں کے اور ابن ابی سرح بھی انہیں میں سے تھا کیونکہ یہ لوگ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں نازیبا الفاظ استعمال کرتے تھے اور گستاخیاں کرتے تھے، پھر جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کے لئے لوگوں کو دعوت دی تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (اپنے رضاعی بھائی) عبداللہ ابن ابی سرح کو لے کر حضور کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا اور عرض کیا یا رسول اللہ، عبداللہ ابن ابی سرح سے بیعت لیجئے تو آپ نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور تھوڑی دیر تک اسے غور سے دیکھا اور پھر تین لمحے بعد اس سے بیعت لی اور صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا. کیا تمہارے اندر ایسا خوش نصیب آدمی نہ تھا جو اس شخص کو قتل کر دیتا اور مجھے اس کی بیعت لینے سے روک دیتا. صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں کیا معلوم آپ کے دل میں کیا ہے. اگر آپ اپنی آنکھ مبارک سے بھی اسے قتل کرنے کا اشارہ فرما دیتے تو ہم اسے قتل کر دیتے. آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی پیغمبر کے لئے جائز نہیں کہ وہ آنکھوں کے اشاروں سے کام لے.

اسس حدیث کو امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ نیز یہ حدیث مبارک اہل سیر کے نزدیک نہایت ہی مشہور و معروف ہے۔ خیال میں رہے کہ (عبداللہ بن ابی سرح پہلے مسلمان تھا اور لکھنا پڑھنا جانتا تھا حضور نے اسے کاتب وحی مقرر فرما دیا تھا) چنانچہ عبداللہ ابن ابی سرح حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی لکھا کرتا تھا پھر مرتد ہو کر مشرک بن گیا اور مسلمانوں سے بھاگ کر مکہ مکرمہ میں قریش کے پاس جا پہنچا اور اس نے اسلام کے خلاف پراپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا اور کہنے لگا کہ میں رحمت عالم (محمد صلے اللہ علیہ وسلم) کے کلام کو بدل دیا کرتا تھا اور میں جو چاہتا لکھ دیتا مثلاً عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ کی بجائے عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ لکھ دیتا تھا اور آپ فرما دیا کرتے تھے کہ جی ہاں سب کچھ درست ہے پھر جب مکہ فتح ہو گیا اور حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس ابن ابی سرح کو اور ایک دوسری جماعت کو قتل کر دینے کا حکم دے دیا اور فرمایا جہاں پائے جائیں خواہ حرم میں خواہ حرم کے باہر ہر حال میں انہیں قتل کر دیا جائے اور ان میں بعض مسلمان بھی تھے جو کافر ہو کر مرتد ہو گئے تھے اور کافروں سے مل گئے تھے جیسے عبداللہ ابن ابی سرح وغیرہ۔ لہٰذا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خون کو مباح قرار دے دیا تھا یہاں تک کہ

؎۔ کیونکہ یہ لوگ حضور کی شان اقدس میں بکواس کرتے تھے اور یہ لوگ اور گستاخ گروہ گیارہ مردوں اور چھ عورتوں پر مشتمل تھا۔ مردوں میں سے چار قتل کر دیئے گئے، سات محفوظ رہے اور مسلمان ہو گئے یعنی (۱) عبداللہ بن ابی سرح، (۲) عکرمہ بن ابی جہل، (۳) صفوان بن امیہ، (۴) ہبار بن اسود (۵) کعب بن زہیر (۶) وحشی قاتل امیر حمزہ (۷) عبداللہ بن زبعری، اور عورتوں میں سے چار قتل کر دی گئیں دو محفوظ رہیں اور مسلمان ہو گئیں یعنی (۱) ہند بنت عتبہ جو ابوسفیان کی بیوی تھی (۲) قرتنا جو ابن خطل کی باندی تھی۔ (مدارج النبوت جلد دوم)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے لے کر آپکی خدمت اقدس میں پیش کر دیا اور پُرزور اپیل کی کہ اسے معاف کیا جائے اور اس کا اسلام از سر نو قبول فرما لیا جائے چنانچہ بار بار اصرار کے پیش نظر حضور نے اس سے اسلام کی بیعت لی اور مسلمانوں میں شامل فرما لیا بہر حال یہ واقعہ بلا شک وشبہ توبہ کرنے سے پہلے گستاخی کرنے والے کو قتل کر دینے کی مضبوط ترین دلیل ہے۔

نیز تیسری حدیث شریف وہ ہے جسے علامہ قاضی عیاض اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم رسول محتشم رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

مَنْ سَبَّ نَبِيًّا فَاقْتُلُوْهُ وَمَنْ سَبَّ اَصْحَابِيْ فَاضْرِبُوْهُ	جو کسی پیغمبر کو گالیاں دے اسے قتل کر ڈالو اور جو کسی میرے صحابی کو گالیاں دے اسے خوب مارو یہاں تک کہ توبہ کر لے۔

نیز اس روائت کو علامہ خلال اور علامہ ازجی نے حضرت علی مرتضیٰ ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے دوسرے الفاظ میں یوں نقل کیا ہے کہ حضور سرور کائنات فخر موجودات، باعث تخلیقات صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ سَبَّ نَبِيًّا قُتِلَ وَمَنْ سَبَّ اَصْحَابِيْ جُلِدَ	جو کسی نبی کو گالی دے اسے قتل کر دیا جائے اور جو میرے صحابی کو گالی دے اسے کوڑے مارے جائیں۔

اجماع امت سے ثبوت

حضرت العلام الشیخ الامام ابو الحسن تقی الدین علی ابن عبد الکافی سبکی

رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف "السیف المسلول" میں لکھا ہے کہ حضرت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ

اَجْمَعَتِ الْاُمَّۃُ عَلٰی قَتْلِ مُنْتَقِصِہٖ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَسَابِّہٖ	تمام امت مسلمہ کا اس بات پر اتفاق ہے، کہ مسلمانوں میں سے جو آدمی حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اقدس میں توہین وتنقیص کرے اور آپ کو گالیاں دے تو اسے قتل کر دیا جائے۔
قَالَ اَبُوْ بَکْرِ ابْنُ مُنْذِرٍ اَجْمَعَ عَوَامُ اَھْلِ الْعِلْمِ عَلٰی مَنْ سَبَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَیْہِ الْقَتْلُ	امام ابو بکر بن منذر نے فرمایا کہ تمام اہل علم عوام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص حضور نبی کریم علیہ التحیہ والتسلیم کو گالی دے اسے قتل کر دینا واجب ہے۔

حضرت انس بن مالک، حضرت لیث، حضرت احمد، حضرت اسحٰق کا یہی مسلک ہے کہ گستاخ رسول کو قتل کرنا واجب اور ضروری ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ اسے قتل کرنا واجب اور لازم ہے۔

علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت سراج الامہ، امام الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، آپ کے دیگر تلامذہ اور آپ کے پیروکار، حضرت سفیان ثوری، اہل کوفہ اور امام اوزاعی رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی مسلک ہے بشرطیکہ توہین کرنے والا پہلے مسلمان ہو۔

حضرت العلامہ الشیخ محمد بن سحنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

اَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلٰی اَنَّ شَاتِمَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالْمُتَنَقِّصَ لَہٗ کَافِرٌ	تمام علمائے دین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والا اور آپ کی شان اقدس

وَالْوَعِیْدُ جَارٍ عَلَیْهِ بِعَذَابِ اللّٰهِ تَعَالٰی لَهٗ وَمَنْ شَكَّ فِیْ كُفْرِهٖ وَعَذَابِهٖ كَفَرَ

میں تنقیص کرنے والا کافر ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کی وعید جاری ہے اور جو شخص اس کے کفر میں اور اس کے عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے

حضرت علامہ ابو سلیمان خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں تمام مسلمانوں میں سے کسی ایک آدمی کے بارے میں بھی نہیں جانتا جو گستاخ رسول کو قتل کر دینے میں اختلاف رکھتا ہو بلکہ سب مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے کہ حضور کی شان اقدس میں بکواس کرنے والے کو قتل کرنا واجب اور ضروری ہے جبکہ وہ پہلے مسلمان ہو۔

حضرت شیخ الشیوخ اسحاق بن راہویہ جو کہ اکابر آئمہ دین میں سے ایک امام ہیں (اور امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں) سے یہی منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی اَنَّ مَنْ سَبَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اَوْ سَبَّ رَسُوْلَهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْ دَفَعَ شَیْئًا مِّمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَوْ قَتَلَ نَبِیًّا مِّنْ اَنْبِیَاءِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اَنَّهٗ كَافِرٌ بِذٰلِكَ وَاِنْ كَانَ مُقِرًّا بِكُلِّ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی

تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ بلا شبہ جو شخص اللہ تعالیٰ یا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو گالی دے بکواس کرے یا اللہ تعالے کی طرف سے نازل کردہ کسی آیت کا انکار کرے یا کسی پیغمبر کو قتل کر دے وہ کافر ہے اگرچہ تمام قرآن کریم کو مانتا ہو اور تمام ضروریات دین کا اقرار کرتا ہو پھر بھی وہ کافر ہے۔

قیاس سے ثبوت

خیال میں رہے کہ مرتد کو قتل کرنا اجماع امت اور نصوص ظاہرہ

سے ثابت ہے جن میں سے ایک نص حدیث نبوی یہ ہے کہ حضور سید عالم نبی محترم رسول مکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ بَدَّلَ دِیْنَہٗ فَاقْتُلُوْہُ	جو اپنا دین تبدیل کرلے تو اسے قتل کر ڈالو۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ قتل کا حکم دین کی تبدیلی کی وجہ سے ہے لہٰذا دین کی تبدیلی علت ہوئی قتل کے حکم کی اور چونکہ گستاخ رسول بھی گستاخی کر کے مرتد ہو جاتا ہے اور اپنا دین تبدیل کر لیتا ہے کہ اسلام کی بجائے کفر اختیار کر لیتا ہے لہٰذا گستاخ رسول میں بھی دین کی تبدیلی علت قرار پائے گی اسے قتل کرنے کی۔

بہر حال نتیجہ یہ نکلا کہ عام مرتد اور گستاخ رسول کو قتل کر دینے کی علت اور سبب مشترک ہے (یعنی دین کی تبدیلی) اس لئے جو حکم عام مرتد کا ہو گا وہی حکم گستاخ کا ہو گا۔ پس قیاس سے بھی ثابت ہو گیا کہ جو سزا عام مرتد کے لئے ہے وہی سزا گستاخ رسول کی ہے۔

خیال رہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک (اپنے ایک قول کے موافق) رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک گستاخ رسول چونکہ مرتد ہے لہٰذا مرتد کی طرح اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ یعنی اگر گستاخ رسول اپنی گستاخی سے رجوع کر لے اور آئندہ کے لئے گستاخی نہ کرنے کا وعدہ کرے اور گذشتہ بے ادبی پر سچی پکی توبہ کر لے تو اسے معاف کر دیا جائے گا لیکن اگر توبہ نہ کرے یا توبہ کر کے پھر گستاخی کرے اور بار بار کرے تو اسے ہر حال میں قتل کر دیا جائے گا۔ نیز یہ حکم مسلمان گستاخ کے لئے (یعنی پہلے مسلمان تھا پھر گستاخی کر کے مرتد ہوا) اور کافر حربی گستاخ کے لئے ہے (کافر حربی سے مراد وہ غیر مسلم ہے جو ہمارے ملک کا شہری نہ ہو بلکہ دوسرے ملک کا کافر باشندہ ہو)

لیکن ذمی کا فرد یعنی جو غیر مسلم ہمارے ملک کی شہریت حاصل کر چکا ہو اور ہماری امان میں ہو، کا حکم یہ ہے کہ اسے پہلی مرتبہ گستاخی کرنے پر کسی صورت میں قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ وہ ہماری حفاظت میں ہے اس لئے اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ نیز جب وہ کفر و شرک جیسے بہت بڑے گناہ کے باوجود ہمارے ملک کی شہریت حاصل کر کے ہماری امان میں رہ سکتا ہے تو بے ادبی کی وجہ سے قتل کیونکر کیا جائے گا بلکہ پہلی مرتبہ بطور تعزیر کوئی دوسری سخت سزا دی جائے گی تاکہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرے اور ہمارا معاہدہ امن بھی نہ ٹوٹے لیکن اگر وہ پھر بھی باز نہ آئے تو اسے قتل کر دیا جائیگا۔

حضرت سراج الامۃ امام الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے موقف پر دلائل

قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ

(پ ۹، س ۸، آیت ۳۸)

تم کافروں سے فرما دو اگر وہ اب بھی کفر و شرک سے باز آجائیں (اور اسلام قبول کر لیں)، تو جو کچھ ہو گزرا وہ معاف کر دیا جائے گا۔

كَیْفَ یَهْدِی اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ وَ شَهِدُوْۤا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتُ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ اُولٰٓىٕكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَیْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓىٕكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یُخَفَّفُ

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو ہدایت دے جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر جیسے قبیح جرم کو اختیار کر لیا ہے حالانکہ وہ پہلے خود ہی، گواہی دے چکے تھے کہ یہ رسول سچا ہے اور آ چکی تھیں ان کے پاس کھلی نشانیاں، اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم

عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

(پ ۳، س ۳، آیت ۸۶ تا ۸۹)

کو ہدایت نہیں دیتا ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو جس میں ہمیشہ پڑے رہیں نہ تو ان سے عذاب ہلکا کیا جائے اور نہ انہیں مہلت دی جائے مگر جنہوں نے اس کے بعد سچے دل سے توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی تو بے شک بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ آیات طیبات مرتدین کے بارے میں نازل ہوئیں جو اسلام قبول کر لینے کے بعد مرتد ہو گئے اور مدینہ منورہ چھوڑ کر مکہ مکرمہ میں کافروں کے پاس چلے گئے جن کی تعداد دس (جیسے تفسیر کبیر اور ابو سعود میں ہے) سے لے کر بارہ تک ہے (جیسے تفسیر مظہری اور تفسیر خازن میں ہے) جن میں حارث بن سوید انصاری، طعمہ بن ابیرق اجحوح بن اسلت شامل ہیں۔ امام ابوبکر بن منذر اور امام عبدالرزاق نے اپنی اپنی مسند میں بیان کیا ہے کہ حضرت حارث بن سوید انصاری پہلے تو حضور سرور مدینہ سرور قلب وسینہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے تھے لیکن مسلمان ہو جانے کے بعد پھر مرتد ہو گئے اور کفر اختیار کر لیا اور مدینہ منورہ چھوڑ کر مکہ مکرمہ میں کافروں کے پاس چلے گئے مگر بہت جلد ہی انہیں احساس ہوا اور بہت ہی ندامت و پشیمانی ہوئی تو انہوں نے اپنی قوم کے پاس پیغام بھیجا کہ حضور نبی کریم رؤف و رحیم رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کریں کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے تو یہ آیات بینات نازل ہوئیں۔ جن میں واضح کر دیا گیا کہ مرتدین میں سے جو بھی سچے دل سے توبہ کر لے اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔

چنانچہ اس کی قوم میں سے ایک شخص نے اس کے پاس جا کر یہ آیات پڑھ کر سنائیں تو حارث نے کہا، اللہ کی قسم تو سچا ہے اور رسول خدا حبیب کبریا صلے اللہ علیہ وسلم تجھ سے بھی زیادہ سچے ہیں اور اللہ تعالیٰ سب سچوں

سے بڑھ کر سچا ہے پھر وہ تائب ہو کر مدینہ منورہ میں آیا اور حضور پُر نور شفیع مجرماں، پناہ گاہ بے کساں صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر دوبارہ اسلام قبول کر لیا پھر آخر دم تک اسلام پر قائم رہے اور اسے بہت اچھی طرح نبھایا۔

(تفسیر خازن، ابن کثیر، مظہری، کبیر، ابو سعود، خزائن العرفان)

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (پ ۱۰، س ۹، آیت ۵)

تو مشرکوں کو قتل کر ڈالو جہاں بھی تم انہیں پاؤ اور انہیں پکڑو اور قید کر لو اور ہر جگہ انکی تاک میں بیٹھو پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت میں بتا دیا گیا ہے کہ کفار و مشرکین عمر بھر کی ایذا رسانی اور زندگی بھر کی سرکشی کے بعد بھی دعوت اسلام قبول کر لیں اور مسلمان ہو جائیں نیز سچی توبہ کر لیں تو انہیں قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ انہیں اسلامی برادری میں شامل کر لیا جائے گا اور ان کے ساتھ کسی قسم کا ناروا سلوک نہیں کیا جائے گا پہلے مسلمانوں کی طرح رحمت و مغفرت اور اس کی رضا کے وہ بھی مستحق ہو جائیں گے، معاشرتی، قانونی اور تمدنی حیثیت سے ان کے وہی حقوق ہوں گے جو دوسرے مسلمانوں کے ہیں۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (پ ۵، س ۴، آیت ۹۴)

اور جو تمہیں سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔

واقعہ یوں ہوا کہ حضرت اسامہ کی قیادت میں حضور نے ایک لشکر روانہ فرمایا، کفار کو جب لشکر اسلام کی آمد کی خبر ملی تو وہ بھاگ گئے لیکن مرداس نامی ایک شخص جو مسلمان ہو چکا تھا وہ اپنے مال مویشی کے ساتھ

ٹھہرا رہا جب مسلمان وہاں پہنچے اور نعرہ تکبیر بلند کیا تو اس نے بھی جواب میں اللہ اکبر کہا اور کلمہ شہادت پڑھتا ہوا پہاڑی سے نیچے اتر آیا اور انہیں السلام علیکم کہا لیکن حضرت اسامہ نے اس کی پرواہ نہ کی اسے قتل کر ڈالا اور اس کا ریوڑ ہانک کر مدینہ طیبہ لے آئے اور بارگاہ رسالت میں سارا ماجرہ بیان کیا حضور بہت رنجیدہ ہوئے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (ضیاء القرآن جلد اول)

اور آئندہ کے لئے مسلمانوں کو اس بات سے منع کر دیا گیا کہ جب کوئی کافر و مشرک مسلمان ہو جائے اور تمہارے سامنے کلمہ شہادت پڑھ کر دین اسلام کا اظہار کرے تو اسے قتل نہ کیا جائے۔ ذرا اندازہ تو کرو جب شرک رجو کہ قرآن کریم کی تصریح کے مطابق ناقابل معافی جرم ہے اسے کوئی مشرک توبہ کرلے اور سچے دل سے مسلمان ہو جائے تو اسے قتل کرنا جائز نہیں لہٰذا گستاخ جو مشرک سے کم درجہ کا مجرم ہے جب وہ توبہ کرے اور سچے دل سے مسلمان ہو جائے تو اسے قتل کرنا کیونکر جائز ہوگا ہرگز نہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول خدا حبیب کبریا صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِکَ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَی اللّٰهِ

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ توحید و رسالت کی گواہی دیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں پس جب وہ یہ کام کرلیں تو میری طرف سے ان کا خون اور مال محفوظ ہو چکا ماسوائے اسلام کے حق کے اور ان کا حساب

بخاری شریف جلد اول، مسلم شریف (ابن ماجہ) جلد ۲ ص ۳۹ — اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔

اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی کافر اپنے کفر و شرک سے توبہ کر کے مسلمان ہو جائے تو اس کا قتل کرنا حرام ہے یہ حدیث عام ہے کہ وہ کافر پہلے سے کافر ہو یا پہلے مسلمان ہو پھر مرتد ہو کر کافر ہو گیا ہو۔

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی۔

يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ إِنْ لَقِيتُ رَجُلًا مِنَ الْكُفَّارِ فَقَاتَلَنِي فَضَرَبَ إِحْدَى يَدَيَّ بِالسَّيْفِ فَقَطَعَهَا ثُمَّ لَاذَ مِنِّي بِشَجَرَةٍ فَقَالَ أَسْلَمْتُ لِلّٰهِ أَفَأَقْتُلُهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ بَعْدَ أَنْ قَالَهَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْتُلْهُ قَالَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّهُ قَدْ قَطَعَ يَدَيَّ ثُمَّ قَالَ ذٰلِكَ بَعْدَ أَنْ قَطَعَهَا أَفَأَقْتُلُهُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ لَا تَقْتُلْهُ فَإِنْ قَتَلْتَهُ فَإِنَّهُ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ أَنْ تَقْتُلَهُ وَإِنَّكَ بِمَنْزِلَتِهِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ كَلِمَتَهُ الَّتِي قَالَ

(صحیح مسلم شریف ج اول ص)

یا رسول اللہ! یہ بتلائے کہ اگر کسی کافر سے میرا مقابلہ ہو اور وہ میرا ہاتھ کاٹ ڈالے اور پھر جب وہ میرے حملہ کی زد میں آئے تو ایک درخت کی پناہ میں آ کر کہے میں اللہ کے لئے مسلمان ہو گیا ہوں تو میں اس شخص کو اس کے کلمہ پڑھنے کے بعد قتل کر سکتا ہوں، آپ نے فرمایا تم اس کو قتل نہیں کر سکتے ہیں نے عرض کیا حضور اس نے میرا ہاتھ کاٹنے کے بعد کلمہ پڑھا ہے تو کیا اب میں اس کو قتل نہیں کر سکتا آپ نے فرمایا تم اس کو قتل نہیں کر سکتے اگر تم نے اس کو قتل کر دیا تو وہ اس درجہ پر ہو گا جس پر تم اس کو قتل کرنے سے پہلے تھے اور تم اس درجہ پر ہو گے جس درجہ پر وہ کلمہ پڑھنے سے پہلے تھا۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ

رسول خدا حبیب کبریا صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک لشکر کے ساتھ روانہ کیا ہم صبح سویرے قبیلہ جہینہ کی بستیوں میں پہنچ گئے۔

فَاَدْرَکْتُ رَجُلًا فَقَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَطَعَنْتُہٗ فَوَقَعَ فِیْ نَفْسِیْ مِنْ ذٰلِکَ فَذَکَرْتُہٗ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَقَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَقَتَلْتَہٗ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّمَا قَالَہَا خَوْفًا مِنَ السِّلَاحِ قَالَ اَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِہٖ حَتّٰی تَعْلَمَ اَقَالَہَا اَمْ لَا فَمَا زَالَ یُکَرِّرُھَا عَلَیَّ حَتّٰی تَمَنَّیْتُ اَنِّیْ اَسْلَمْتُ یَوْمَئِذٍ۔ (الخ)

صحیح مسلم شریف جلد اول صفحہ ۶۸)

میں نے ایک آدمی پر حملہ کر دیا تو اس نے کہا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لیکن میں نے اسے نیزہ مار کر قتل کر دیا پھر مجھے اس فعل کے بارے میں دل میں کچھ شبہ سا پیدا ہوا چنانچہ میں نے حضور سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کیا اس شخص کے کلمہ پڑھنے کے باوجود تم نے اسے قتل کر دیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس نے اپنی جان کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا آپ نے فرمایا کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا جس سے تم کو معلوم ہو گیا کہ اس نے دل سے کلمہ پڑھا تھا یا کہ نہیں حضور یہ کلمات بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ میں نے آرزو کی کاش میں آج اسلام لایا ہوتا تاکہ اس شخص کے قتل کا گناہ میرے نامہ اعمال میں نہ لکھا جاتا۔

یہ دونوں احادیث مبارکہ بھی عام ہیں کہ کافر خواہ پہلے سے ہی کافر تھا خواہ پہلے مسلمان تھا پھر مرتد ہو جانے سے کافر ہو گیا جب بھی کلمہ پڑھ کر اسلام کا اظہار کرے تو اسے قتل کر دینا جائز نہیں۔

(اس کی تفصیل علامہ ابن عابدین کی کتاب "تنبیہ الولاۃ والحکام علی شاتم خیر الانام" میں ملاحظہ فرمائیں۔

احادیث سے استدلال

(۱) حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ ثُمَّ جَعَلَهُمْ فِرْقَتَيْنِ فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ فِرْقَةً ثُمَّ جَعَلَهُمْ قَبَائِلَ فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ قَبِيلَةً ثُمَّ جَعَلَهُمْ بُيُوتًا فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ بَيْتًا فَأَنَا خَيْرُهُمْ نَفْسًا وَخَيْرُهُمْ بَيْتًا۔

(مشکوۃ و ترمذی شریف)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا مجھے بہترین مخلوق (انسان) میں رکھا پھر اللہ تعالیٰ نے انکی دو جماعتیں (عرب و عجم) بنائیں مجھے انمیں سے بہترین جماعت (عرب) میں پھر انکے کئی قبیلے بنائے تو مجھے انمیں سے بہتر قبیلہ (قریش) میں رکھا پھر ان کے بہت گھر (خاندان) بنائے تو مجھے بہترین گھر (بنو ہاشم) میں رکھا لہٰذا میں اپنی ذاتی شرافت اور خاندانی دونوں کے لحاظ سے تم سب سے بہتر ہوں۔

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان دو قسم کے ہیں، عرب اور عجم، ان میں سے عرب افضل ہیں اور مجھے اللہ تعالیٰ نے عرب میں سے پیدا کیا اور عرب کے بہت سے قبیلے بنائے، سب سے افضل قریش ہیں اور مجھے قریش میں سے پیدا کیا پھر قریش میں بہت خاندان بنائے اور سب خاندانوں میں بنو ہاشم افضل ہیں اور مجھے بنو ہاشم میں سے پیدا فرمایا گیا، نیز اللہ تعالیٰ نے ذاتی شرافتیں بھی بخشیں اور بیرونی شرافتیں بھی۔ اس حدیث سے صاف طور پہ ظاہر ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم، قبیلہ اور خاندان سب سے افضل اور اعلےٰ ہے۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ آپ اپنے خاندان میں سے جس جس

...ہ دونوں میں جلوہ گر رہے ہیں وہ سب موحد اور مومن تھے کیونکہ کافر و
...رک تو تمام مسلمانوں سے ادنیٰ اور خسیس ترین قوم ہے۔
... حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی مکرم
...صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُوْنِ بَنِيْ آدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰى كُنْتُ مِنَ الْقَرْنِ الَّذِيْ كُنْتُ مِنْهُ

(مشکوٰۃ شریف و بخاری شریف)

میں اولادِ آدم میں یکے بعد دیگرے بہترین گروہ میں بھیجا گیا ہوں یہاں تک کہ میں اس گروہ سے ظاہر ہوا ہوں جس میں میں پہلے سے تھا۔

اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ ...آپ کا نورِ مبارک جس جس قبیلہ اور خاندان میں رہا وہ ہمیشہ دنیا بھر میں تمام ...اندانوں سے بہتر رہا ہے اور اس میں اچھی خصلتیں نیز شرافت و نجابت اور امانت و ...یانت ان میں موجود تھیں، نیز یہ کہ جن پشتوں اور شکموں میں یہ نورِ مبارک رہا ...وہ زنا اور کفر و شرک سے محفوظ رہے از حضرت آدم علیہ السلام تا حضرت عبداللہ ...آپ کا کوئی دادا دادی وغیرہ کافر و مشرک نہیں ہوئے بلکہ سب موحد تھے۔

... حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى كِنَانَةَ مِنْ وُّلْدِ اِسْمَاعِيْلَ وَاصْطَفٰى قُرَيْشًا مِنْ كِنَانَةَ وَاصْطَفٰى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِيْ هَاشِمٍ وَاصْطَفَانِيْ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ

(مسلم شریف، جامع ترمذی شریف)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے نسل اسماعیل میں سے کنانہ کو برگزیدہ بنایا اور بنو کنانہ میں سے قریش کو برگزیدہ بنایا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو برگزیدہ بنایا اور مجھے بنو ہاشم میں سے برگزیدہ فرمایا۔

جامع ترمذی شریف کی دوسری روایت میں یوں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى مِنْ وُّلْدِ اِبْرَاهِيْمَ

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم

اِسْمَاعِيْلَ وَاصْطَفٰى مِنْ وُلْدِ اِسْمَاعِيْلَ بَنِىْ كِنَانَةَ

کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو منتخب فرمایا اور حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو منتخب فرمایا

آگے یہ روایت مذکورہ بالا حدیث مبارکہ کے ساتھ مل جاتی ہے۔

(۴) حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ عفیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور سید عالم فخر آدم و بنی آدم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل امین علیہ السلام کی زبانی یہ ارشاد نقل فرمایا۔ کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے بیان کیا

قَلَّبْتُ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا فَلَمْ اَرَ رَجُلًا اَفْضَلَ مِنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ اَرَ بَنِىْ اَبٍ اَفْضَلَ مِنْ بَنِىْ هَاشِمٍ

میں تمام روئے زمین کے مشارق و مغارب میں گھوما لیکن کسی انسان کو بھی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر نہیں دیکھا اور نہ ہی میں نے کسی خاندان کو بنو ہاشم سے بہتر پایا

(۵) علامہ طبری نے ذخائر العقبیٰ میں اور علامہ ابن سعد نے طبقات میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔

خَيْرُ الْعَرَبِ مُضَرُ وَخَيْرُ مُضَرَ بَنُوْ عَبْدِ مَنَافٍ وَخَيْرُ بَنِىْ عَبْدِ مَنَافٍ بَنُوْ هَاشِمٍ وَخَيْرُ بَنِىْ هَاشِمٍ بَنُوْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَاللّٰهِ مَا افْتَرَقَ فِرْقَتَانِ مُنْذُ خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ اِلَّا كُنْتُ فِىْ خَيْرِهِمَا،

(الحاوی للفتاوی صہ ۲۱۱ ج ۲)

عرب میں سے خاندان مضر بہتر ہے اور خاندان مضر سے بنو عبد مناف اور بنو مناف میں سے بنو ہاشم اور بنو ہاشم میں سے بنو عبد المطلب بہتر خاندان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم جس وقت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا ہے کبھی دو فرقے جدا نہ ہوئے مگر میں ان میں سے بہتر فرقہ میں

(۶) علامہ طبرانی اور امام بیہقی نیز علامہ ابو نعیم نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث تخریج کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا،

إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَاخْتَارَ مِنَ الْخَلْقِ بَنِيْ آدَمَ وَاخْتَارَ مِنْ بَنِيْ آدَمَ الْعَرَبَ وَاخْتَارَ مِنَ الْعَرَبِ مُضَرَ وَاخْتَارَ مِنْ مُضَرَ قُرَيْشًا وَاخْتَارَ مِنْ قُرَيْشٍ بَنِيْ هَاشِمٍ وَاخْتَارَنِيْ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ فَأَنَا مِنْ خِيَارٍ إِلٰى خِيَارٍ

(الحاوی للفتاوی ص۲۱۶ ج ۲)

بلاشبہ جب اللہ تعالےٰ نے مخلوق پیدا فرمائی تو مخلوق میں سے بنی آدم کو برگزیدہ فرمایا اور بنی آدم سے عرب کو برگزیدہ فرمایا اور عرب سے مضر کو اور مضر سے قریش کو برگزیدہ کیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم سے مجھے برگزیدہ فرمایا پس میں برگزیدہ لوگوں سے برگزیدہ لوگوں کی طرف منتقل ہوتا رہا ہوں۔

(۷) امام عبد الرزاق نے امام بخاری اور امام مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح سند کے ساتھ حضرت معمرؒ سے انہوں نے حضرت ابن جریج سے روایت بیان کی کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ

لَمْ يَزَلْ عَلٰى وَجْهِ الدَّهْرِ فِي الْأَرْضِ سَبْعَةٌ مُسْلِمُوْنَ فَصَاعِدًا فَلَوْلَا ذٰلِكَ هَلَكَتِ الْأَرْضُ وَمَنْ عَلَيْهَا

(الحاوی للفتاوی ص۲۱۶ ج ۲)

رُوئے زمین پر ہر زمانے میں کم از کم سات مسلمان ضرور رہے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین اور اہل زمین سب ہلاک و تباہ اور برباد ہو جاتے۔

علامہ امام عبد الرحمٰن جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ بات اپنی رائے سے نہیں کہی جاسکتی اس لئے یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے اور امام ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں علامہ اسحاق ابن ابراہیم الدبری سے انہوں نے امام عبد الرزاق سے اس حدیث شریف کی تخریج کی ہے۔

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ ہمیشہ ہر زمانے میں سات یا کچھ زیادہ مسلمان دنیا میں ضرور رہے ہیں، اب غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ ہر زمانے کے مسلمانوں میں حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد شامل ہیں یا نہیں، اگر کہا جائے کہ حضور سید عالم نور مجسم صلے اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد ان میں شامل ہیں تو ہمارا دعویٰ ثابت ہوگیا کہ حضور کے صرف والدین کریمین ہی نہیں بلکہ آپ کے تمام آباؤ اجداد موحد اور مسلمان ہیں اور اگر کہا جائے کہ آپ کے آباؤ اجداد ان مسلمانوں میں شامل نہیں تو دو خرابیاں لازم آئیں گی، ایک یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آباؤ اجداد ان مسلمانوں سے بہتر ہیں کہ نہیں اگر کہا جائے کہ بہتر ہیں تو یہ خرابی لازم آئے گی کہ مشرک مسلمانوں سے بہتر ہو جائیں اور یہ قرآن کریم اور اجماع امت کے خلاف اور باطل ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ بہتر نہیں ہیں تو یہ احادیث صحیحہ کے خلاف ہے کیونکہ حضور رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آپ کے تمام آباؤ اجداد ہمیشہ اپنے اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے افضل و اعلےٰ اور بہتر و برتر ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام آباؤ اجداد اپنے اپنے زمانے کے مسلمانوں میں شامل تھے اور سب سے بہتر مسلمان تھے۔

(۸) وروی هشام ابن محمد بن الکلبی عن ابیه قال کتبت للنبی صلی الله علیه وسلم خمس مائة ام فما وجدت فیهن سفاحا ولا شیئا مما کان من امر الجاهلیه

(انوار المحمدیہ من المواہب اللدنیہ)

علامہ ہشام بن محمد کلبی نے اپنے والد سے روایت بیان کی ہے کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پانچ سو دادیوں کے حالات زندگی کی فہرست لکھی ہے لیکن میں نے انہیں سے کسی میں بھی کوئی بدکاری نہیں پائی اور نہ کوئی ایسی ناپسندیدہ چیز پائی جو عام طور پر زمانہ جاہلیت میں پائی جاتی تھی۔

اس روایت میں غور کیجیے کہ اس کے پہلے جملے میں یعنی فَمَا وَجَدْتُ فیهن سفاحا میں زنا اور دوسری بدکاریوں کی نفی کر دی گئی ہے پھر آخری جملے میں یعنی ولا شیئاً مما کان من امر الجاھلیہ سے زمانہ جاہلیت کی ہر برائی کی نفی کر دی گئی ہے جب کہ زمانہ جاہلیت میں سر فہرست کفر و شرک اور بت پرستی برائی عام تھی لہٰذا جب حضور کی دادیوں سے ہر قسم کی برائی کی نفی کر دی گئی ہے تو کفر و شرک کی نفی خود بخود ہو جائے گی پس اس روایت سے ثابت ہوا کہ آپ کی تمام مائیں اور دادیاں کفر و شرک سے بھی پاک تھیں اور دیگر تمام برائیوں سے بھی پاک تھیں۔

(۹) امام بیہقی و امام طبرانی اور امام ابو نعیم نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث شریف بیان کی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول خدا حبیب کبریا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ان الله قسم الخلق قسمین فجعلنی فی خیرهما قسما ثم جعل القسمین اثلاثا فجعلنی فی ثلثا ثم جعل

بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو دو قسموں میں تقسیم کر دیا تو مجھے ان دونوں میں سے بہترین قسم میں رکھا پھر ان دو قسموں کو تین قسموں میں تقسیم کیا تو

الاثلاث قبائل فجعلنی فی خیرھا قبیلۃ ثم جعل القبائل بیوتا فجعلنی فی خیرھا بیتا فذالک قولہ تعالٰی انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا

والخصائص الکبرٰی جلد اول ص ۴۲

مجھے ان میں سے تیسری بہترین قسم میں رکھا پھران تین قسموں کے قبیلے بنائے تو مجھے ان بہترین قبیلہ میں رکھا پھران قبیلوں کے گھر بنائے تو مجھے ان کے بہترین گھر میں رکھا، پس اسی بناء پر ارشاد خداوندی ہے۔ اللہ تعالٰی تو یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی کو دور فرما دے اور تمھیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے

اس حدیث مبارکہ سے واضح ہوا کہ حضور نبی کریم روف الرحیم علیہ التحیۃ والتسلیم کے تمام آباؤ اجداد اور امہات وجدات اپنے اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے بہتر و برتر اور اعلٰے و افضل تھے اور چونکہ ہر زمانہ میں توحید پرست مسلمان موجود رہے لہٰذا آپ کے آباؤ امہات تب اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے بہتر ہوں گے جب یہ موحد او مومن ہوں اور جب وہ بہتر ہیں تو وہ مومن بھی ہیں۔

نیز مذکورہ بالا حدیث میں دی گئی آیت کریمہ کا بھی یہی منشا ہے کہ جس طرح ازواج مطہرات باعتبار سکونت و نکاح اہل بیت میں شامل ہیں اور حضور کے صاحبزادے اور صاحبزادیاں ولادت کے اعتبار سے اہلبیت میں شامل ہیں اور آل فاطمہ نسل نبوی کے لحاظ سے اہلبیت میں شامل ہیں، اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آباؤ اجداد مذکورہ بالا حدیث کے مطابق باعتبار نسب رسول اہلبیت میں شامل ہیں اور اللہ تعالٰی تو اپنے پیارے حبیب کی عظمت کی خاطر تمام اہل بیت کو ہر قسم کی بدعقیدگی اور بدکاری سے پاک رکھنا چاہتا ہے مگر رسول عربی

کے مقام سے بے خبر لوگ سوئے ظن رکھتے ہیں۔

(۱۰) علامہ بیہقی اور علامہ ابن عساکر نے امام مالک کی شرط پر امام زہری سے روایت نقل کی، انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور نبی کریم رؤف الرحیم رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

ما افترق الناس فرقتین الا جعلنی اللہ فی خیرھا فاخرجت من بین ابوی فلم یصبنی شیئ من عھد الجاھلیہ وخرجت من نکاح ولم اخرج من سفاح من لدن آدم حتی انتھیت الی ابی وامی فانا خیرکم نفسا وخیرکم ابا

(الخصائص الکبریٰ جلد اول صفحہ ۳۷)

لوگوں کے کبھی دو گروہ نہیں ہوئے مگر مجھے اللہ تعالیٰ نے بہترین گروہ میں رکھا یہاں تک کہ میں اپنے ماں باپ سے اس طرح پیدا ہوا ہوں کہ مجھے زمانہ جاہلیت کی برائی نہیں پہنچی اور خالص نکاح سے پیدا ہوا ہوں (لہٰذا) میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اپنے ماں، باپ تک کبھی برائی سے پیدا نہیں ہوا لہٰذا میں ذاتی شرافت کے لحاظ سے بھی تم سب سے بہتر ہوں اور اپنے آباؤ اجداد کے لحاظ سے بھی تم سب سے بہتر ہوں۔

غور کیجئے کہ اس حدیث مبارکہ میں پہلے عام نفی فرمادی کہ عہد جاہلیت کی کوئی برائی میرے نسب اقدس کو کبھی نہیں پہنچی۔ یہ فرمان اس بات کی خود روشن دلیل ہے کہ آپ کے تمام آباؤ اجداد کفر و شرک اور بدکاری وزناکاری اور دیگر ہر قسم کی برائی سے پاک تھے اگر عہد جاہلیت کی برائی کو زنا کے ساتھ مخصوص کیا جائے تو دو وجہ سے غلط ہوگا۔ ایک تو یہ کہ تخصیص بلا مخصص لازم آئے گی جو کہ باطل ہے دوسرا یہ کہ زنا کی تردید

تو حضور نے یہ کہہ کر فرما دی کہ میں خالص نکاح سے پیدا ہوا ہوں پھر آخر میں حضور نے تمام صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں ذاتی شرافت اور آباؤ اجداد کے اعتبار سے تم سب سے بہتر ہوں اور بے شمار ایسے صحابہ کرام موجود تھے جن کے ماں باپ مسلمان تھے لہٰذا حضور کے آباؤ اجداد صحابہ کرام کے آباؤ اجداد سے تب بہتر ہوں گے جب وہ خود توحید پرست مسلمان ہوں۔ پس ثابت ہوا کہ حضور کے تمام آباؤ اجداد توحید الٰہی کے قائل اور مومن تھے۔

(۱۲) علامہ حافظ ابوالقاسم حمزہ بن یوسف سہمی نے "فضائل العباس" میں حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ

ان اللہ اصطفی من ولد ادم ابراھیم واتخذہ خلیلا واصطفی من ولد ابراھیم اسماعیل ثم اصطفی من ولد اسمعیل نزارا ثم اصطفی من ولد نزار مضر ثم اصطفی من مضر کنانہ ثم اصطفی من کنانۃ قریشا ثم اصطفی قریش بنی ھاشم ثم اصطفی من بنی ھاشم بنی عبد المطلب ثم اصطفانی من عبد المطلب
(الحاوی للفتاوی جلد ۲، صفحہ ۲۱۰)

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی اولاد میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منتخب فرمایا اور انہیں اپنا خلیل بنایا اور حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے حضرت اسمٰعیل کو منتخب فرما لیا پھر حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں سے جناب نزار کا انتخاب فرمایا پھر نزار کی اولاد میں سے حضرت مضر کو منتخب فرما لیا پھر مضر کی اولاد میں سے جناب کنانہ کو منتخب فرما لیا پھر کنانہ سے قریش کو منتخب فرما لیا پھر قریش میں بنی عبد المطلب کو منتخب فرمایا پھر بنی عبد المطلب میں سے مجھے منتخب فرما لیا۔

اس روایت کو علامہ محب الدین الطبری نے اپنی کتاب ذخائر العقبیٰ میں نقل کیا ہے۔

(۱۲) علامہ ابوعلی بن شاذان نے ایک روایت تخریج فرمائی ہے جسے علامہ محب الدین الطبری اپنی کتاب "ذخائر العقبیٰ" میں نقل کی ہے اور یہ روایت مسند البزار میں منقول ہے اسے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا ہے کہ قریش میں سے کچھ لوگ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کے گھر میں جمع ہو کر اپنے نسب پر فخر کا اظہار کرنے لگے اور جاہلیت کی باتیں کرنے لگے اس پر حضرت صفیہ نے فرمایا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم تو ہم میں سے ہیں یہ سن کر انہوں نے تمسخر کے انداز میں، کہا بنجر زمین سے کھجور یا کوئی درخت نمودار ہو گیا ہے۔ چنانچہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کا تذکرہ حضرت نبی اکرم رسول محتشم صلے اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ غضبناک ہو گئے اور حضرت بلال کو حکم دیا گیا کہ تمام لوگوں کو بلا کر اکٹھا کریں پھر آپ منبر پر تشریف فرما ہو کر ارشاد فرمایا۔

یا ایھا الناس من انا ؟ قالوا انت رسول اللہ قال انسبونی قالوا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب قال فما بال اقوام ینزلون اصلی فواللہ انی لافضلھم اصلا وخیرھم موضعا (الحاوی للفتاوی جلد ۲ صفحہ ۲۱)

اے لوگو (بتاؤ) میں کون ہوں، سب نے عرض کیا آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں آپ نے فرمایا میرا نسب بیان کرو سب نے عرض کیا کہ آپ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں، آپ نے فرمایا اس قوم کا کیا حال ہے جو میرے نسب کو پست ثابت کرتے ہیں، خدا کی قسم میں اپنے نسب میں بھی ان سب سے افضل ہوں اور جگہ و مقام کے اعتبار سے بھی ان سب سے بہتر ہوں۔

(۱۳) علامہ ابن سعد اور علامہ ابن ابی شیبہ نے "المصنف" میں حضرت امام محمد باقر ابن حضرت امام علی داو سط زین العابدین بن حضرت امام حسین سید الشہداء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم فخر دو عالم محبوب اعظم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

انا خرجت من نکاح ولم اخرج من سفاح من لدن آدم لم یصبنی من سفاح اھل الجاھلیۃ شیٔ ولم اخرج الا من طھرۃ (الخصائص الکبریٰ جلد اول صفحہ ۳۷)	بلاشبہ میں نکاح ہی سے پیدا ہوا ہوں اور میں حضرت آدم سے لے کر اب تک کبھی کسی برائی سے پیدا نہیں ہوا اور نہ ہی کبھی مجھے زمانہ جاہلیت کے لوگوں کی کوئی برائی پہنچی ہے اور میں ہمیشہ پاک لوگوں میں پیدا ہوتا رہا ہوں۔

(۱۴) امام ابو نعیم نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے طریق پر انہیں سے روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اکرم فخر آدم و بنی آدم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لم یلتق ابوای قط علی سفاح لم یزل اللہ ینقلنی من الاصلاب الطیبۃ الی الارحام الطاھرۃ مصفیٰ مھذبا لا تتشعب شعبتان الا کنت فی خیرھما (الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۳۷، مواھب لدنیہ ص ۳)	میرے اجداد کرام نے کبھی بھی بطور زنا ملاپ نہیں کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک وصاف اور مہذب رحموں میں منتقل فرماتا رہا ہے اور میرے خاندان میں جب بھی دو قبیلے بنے تو مجھے ان دو میں سے بہترین قبیلہ میں رکھا جاتا رہا ہے۔

علمائے اسلام کے اقوال سے استدلال

(۱) قاضی ابوبکر بن عربی جو کہ ائمہ مالکیہ سے ہیں ان سے پوچھا گیا کہ آپ ایسے شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو یہ کہتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین دوزخ میں ہیں۔ آپ نے فرمایا:

فَهُوَ مَلْعُوْنٌ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰی اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا۔

(الحاوی للفتاوی صفحہ ۲۲ ج ۲)

پس وہ ملعون ہے کیونکہ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ بلاشبہ وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

۲۔ امام المتکلمین علامہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب اسرار التنزیل میں زیر آیت وَتَقَلُّبَكَ فِی السَّاجِدِیْنَ فرماتے ہیں کہ

قِیْلَ مَعْنَاهُ اَنَّهٗ کَانَ یَنْقُلُ مِنْ سَاجِدٍ اِلٰی سَاجِدٍ وَبِهٰذَا التَّقْدِیْرِ فَالْاٰیَةُ دَالَّةٌ عَلٰی اَنَّ جَمِیْعَ اٰبَاءِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ۔

الحاوی للفتاوی صفحہ ۲۱ ج ۲

کہا گیا ہے کہ اس کا معنٰی یہ ہے کہ بلاشبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نور مبارک ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف منتقل ہوتا رہا ہے اس تقدیر پہ یہ آیت اس بات پر دلیل ہے کہ جناب محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد مسلمان تھے۔

واضح رہے کہ علامہ محمد فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تفسیر کبیر میں
اس آیت کریمہ کے تحت انیسویں پارے میں اختصار کے ساتھ اور ساتویں
پارے میں تفصیل کے ساتھ آیت نمبر ۷۴ یعنی وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ
کے تحت (شیعہ حضرات کی تردید کرتے ہوئے) مذکورہ بالا معنیٰ کے علاوہ
متعدد وجوہ ذکر کر کے چند اعتراضات وارد کئے لہٰذا ان اعتراضات کے
جوابات دینے سے پہلے ان تمام وجوہات کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ
علامہ رازی فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ فِی
السّٰجِدِیْنَ سے مراد حضور نبی اکرم رسول معظم صلے اللہ علیہ وسلم کے آباؤ
اجداد کرام اور امہات طیبات ہیں جو توحید پرستی کی وجہ سے ہمیشہ اللہ تعالیٰ
ہی کے لئے سجدہ ریزیاں کرتے رہے اور انہی کی اصلاب وارحام میں آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کی روح انور کے منتقل ہونے کو رب تعالیٰ ملاحظہ فرماتا رہا
لہٰذا یہ آیت کریمہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ حضور سید عالم نور مجسم
صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام آباؤ امہات مسلمان تھے۔ اس سے یہ بات بھی یقینی
طور پر ثابت ہو گئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ماجد حضرت
تارخ مسلمان تھے۔ علامہ فخر الدین رازی اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ آیت
کریمہ دیگر کئی وجوہات کا احتمال رکھتی ہے (جن کا خلاصہ یہ ہے)

۱۔ جب قیام لیل یعنی نماز تہجد کی فرضیت ختم ہو گئی تو رسول اکرم صلے
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک رات (سحری کے وقت) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
کے گھروں کا چکر لگایا تاکہ ملاحظہ فرمائیں کہ فرضیت تہجد ختم ہونے کے بعد
وہ کیا کر رہے ہیں (آرام سے سو رہے ہیں یا عبادت الٰہی میں مشغول ہیں)
کیونکہ آپ ان کی طرف سے اطاعات وعبادات بجا لانے کے لئے بہت زیادہ
خواہشمند رہتے چنانچہ آپ جب صحابی کے گھر کے پاس سے گذرتے تلاوت قرآن
کریم، ذکر الٰہی اور تسبیح و تہلیل کی آوازیں اس طرح سنائی دے رہی تھیں جیسے

شہد کے چھتے میں شہد کی مکھیاں بھنبھنا رہی ہوں۔

(۲) جب آپ صحابہ کرام میں جلوہ گر ہو کر اور ان کے ساتھ مل کر انہیں جماعت سے نماز پڑھاتے ہیں اور حالت نماز میں قیام سے رکوع کی طرف اور رکوع سے سجدہ کی طرف گردش کرتے ہیں، ہم دیکھ رہے ہوتے ہیں۔

(۳) اے حبیب کریم تیری زندگی کا کوئی لمحہ اور کوئی حال اللہ تعالےٰ سے مخفی نہیں ہے یہاں تک کہ جب تو اٹھتا ہے اور سجدہ کرنے والوں یعنی صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ دینی امور کے بجالانے کے لئے گردش کرتا ہے تو اس وقت بھی اللہ تعالےٰ تیری ہر حالت کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔

(۴) حالت نماز (باجماعت) میں اپنے پیچھے نمازیوں کی طرف تمہاری آنکھ مبارک کی گردش کو ہم ملاحظہ فرماتے ہیں کہ تمہاری آنکھ مبارک آگے اور پیچھے یکساں دیکھتی ہے اور اس کی دلیل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول مبارک ہے جو آپ نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم رکوع، اور سجدہ پورا پورا ادا کرو کیونکہ میں تم کو اپنی پشت مبارک کے پیچھے بھی دیکھ رہا ہوں۔

اعتراضات و جوابات

اعتراض نمبر ۱: یہاں علامہ رازی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ لفظ مشترک (الساجدین) سے بیک وقت تمام مذکورہ بالا معانی مراد لینا جائز نہیں

اعتراض نمبر ۲: اسی طرح حقیقت و مجاز بیک وقت ایک جگہ مراد نہیں لئے جا سکتے لہٰذا حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کرام کے اسلام پر یہ آیت بطور دلیل پیش نہیں کی جا سکتی۔

(تفسیر کبیر ج ۴ ص ۱۷۱،۱۷۲)

جواب: ان اعتراضات کا جواب یہ ہے کہ یہاں لفظ الساجدین مذکورہ بالا معانی کے لئے نہ تو بطور اشتراک لفظی کے استعمال ہوا ہے اور

نہ ہی حقیقت و مجاز کے طور پر استعمال ہوا ہے کیونکہ اشتراک لفظی میں لفظ مشترک اپنے ہر معنیٰ موضولہ کے لئے ابتداءِ وضع میں الگ الگ موضوع ہوتا ہے اور حقیقت و مجاز میں پہلے لفظ ابتداء وضع میں ایک معنیٰ کے لئے موضوع ہوتا ہے اور یہ معنے اس کا حقیقی معنیٰ ہوتا ہے پھر کسی خاص مناسبت کی وجہ سے دوسرے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے اور یہ دوسرا معنے مجازی کہلاتا ہے یہاں لفظ الساجدین نہ تو مذکورہ بالا معنیٰ کے لئے الگ الگ وضع کیا گیا ہے اور نہ ہی بعض کے لئے حقیقت اور بعض کے لئے مجازی طور پر استعمال ہوا ہے بلکہ یہ تمام معانی بطور احتمال مراد لئے گئے ہیں جن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آباؤ اجداد مراد لینے والے معنے کے علاوہ باقی تمام احتمالات تحقیقی لحاظ سے غلط ہیں چنانچہ حضرت حکیم الامت علامہ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے، کہ پہلا احتمال تو اس لئے غلط ہے کہ یہ سورۃ مکیہ ہے (یعنی ہجرت سے پہلے نازل ہوئی تھی) اور ہجرت سے قبل نماز تہجد والوں کی تفتیش حال کے لئے حضور علیہ السلام کا ان کے گھروں کا دورہ فرمانا ثابت نہیں بلکہ آپ کا دورہ فرمانا ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوا تھا، دوسرا اور چوتھا احتمال اس لئے غلط ہے کہ جماعت سے نماز کا اہتمام بھی ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوا تھا۔

(ماخوذ بتصرف من تفسیر نور العرفان)

باقی رہا تیسرا احتمال تو اس کا

جواب نمبر ۱:- یہ ہے کہ یہاں یہ احتمال مراد لینا مناسب نہیں ہے کیونکہ اگر تیسرا معنے مراد ہوتا تو قرآن کریم میں فی الساجدین کی بجائے مع الساجدین ہوتا۔

جواب نمبر ۲:- دوسرا جواب یہ ہے کہ مذکورہ بالا دیگر احتمالات کے

برعکس یہاں مطابقت کی صورت بھی نکل سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت باسعادت سے پہلے اللہ تعالیٰ آپ کے آباؤ اجداد کرام کی پشتوں میں اور آپ کی امہات طیبات کے شکموں میں آپ کی گردش کو یکے بعد دیگرے دیکھتا رہا اور اعلان نبوت کے بعد اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ دینی امور (غزوات وغیرہ) کے بجا لانے میں آپ کی گردش کو دیکھتا رہا۔

جواب نمبر ۳۔ یہ ہے کہ جب جمہور علمائے اسلام اور صوفیائے کرام اس آیت کریمہ سے حضور سید عالم نبی اکرم رسول معظم صلے اللہ علیہ وسلم کے آباؤ امہات مراد لیتے ہیں تو باقی تمام احتمالات خود بخود ختم ہو گئے۔

فالحمد للہ علی ذالک

ئ خیال رہے کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی ولادت باسعادت کے بعد اور اعلان نبوت سے پہلے کے عرصہ میں مشرکین میں رہے سوائے چند موحدین کے جیسے حضرت ورقہ بن نوفل، حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت سیدہ آمنہ، عمار بن الحویرث، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت زید بن عمر بن نفیل، قیس بن ساعدہ ایادی وغیرہم

نیز اسی مقام پر مندرجہ ذیل آیت مبارکہ

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً ۖ إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ

(پ ۷، ع ۱۵، آیت ۷۴)

اور یاد کرو جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو خدا بناتے ہو بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں۔

کے تحت علامہ محمد فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آزر کے باپ نہ ہونے پر چند بہترین دلائل قائم کر کے داہل تشیع حضرات کی تردید کے جوش میں اچند رکیک شکوک بھی وارد کر دیئے ہیں جن کے جوابات دینا نہایت ضروری ہے لہٰذا پہلے علامہ رازی کی طرف سے دیئے گئے دلائل اور شکوک ذکر کئے جاتے ہیں، بعد ازاں ان شکوک کے جوابات دیئے جائیں گے۔

علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ اس مذکورہ بالا آیت کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر کو سخت اور تکلیف دہ دل آزار گفتگو کے ساتھ خطاب کیا ہے جب کہ اپنے والد کے ساتھ دل آزار اور ہتک آمیز گفتگو کرنا جائز نہیں پس یہ آیت مبارکہ اس بات کی روشن ترین دلیل ہے کہ آزر آپ کے والد یعنی حقیقی باپ نہیں تھے باقی رہی یہ بات کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر کے ساتھ اس آیت میں دل آزار اور ہتک آمیز گفتگو کی ہے تو اس کی دو وجہیں ہیں۔

پہلی وجہ۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں لفظ آزر کو دوسری قرأت میں ضمہ (پیش) کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور اسوقت یہ ندا یعنی حرف ندا محذوف ہوگا یعنی اصل میں یوں عبارت تھی " یا آزرُ " اے آزر حالانکہ اپنے

والد کو اس کے اصل نام کے ساتھ ندا کرنا (بلانا) بے ادبی، اور گستاخی ہے۔

دوسری وجہ: دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا اِنِّیٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں، حالانکہ اپنے والد کو گمراہ اور بے دین کہنا سخت دل آزار تکلیف دہ اور بے ادبی و گستاخی ہے پس ثابت ہو گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر کے ساتھ دل آزار اور ہتک آمیز رویہ اختیار فرمایا ہے لہٰذا حضرت ابراہیم کا آزر کو اس کے اصلی نام کے ساتھ ندا کرنا اور اسے گمراہ اور بے دین کہنا اس بات کی روشن ترین دلیل ہے کہ آزر آپ کے والد نہیں تھے، باقی رہی یہ بات کہ اپنے والد کو ظلم و زیادتی اور بے ادبی کے ساتھ مخاطب کرنا اور ان سے ہتک آمیز گفتگو کرنا جائز نہیں بلکہ بیٹے کے لئے ایسا کرنا حرام ہے اس کی کئی وجوہ ہیں۔

پہلی وجہ: اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا (پ ۱۵، بنی اسرائیل، آیت ۲۳)	اور تمہارے رب نے حکم فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو

علامہ رازی فرماتے ہیں کہ یہ آیت مبارکہ کافر و مسلم دونوں قسم کے ماں باپ کو شامل ہے لہٰذا ماں باپ مسلمان ہوں یا وہ کافر ہوں ہر حال میں ان کے ساتھ نیک سلوک اور اچھا برتاؤ کرنا اولاد پر فرض ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ اسی آیت پاک کے اگلے حصے میں ارشاد فرما رہا ہے۔

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا ۝	تو ان سے ہوں (بھی) نہ کہنا اور انہیں نہ ہی جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا۔

علامہ رازی فرماتے ہیں کہ اس حصے میں بھی حکم عام ہے لہٰذا والدین مسلمان ہوں خواہ کافر ہوں ان سے نازیبا الفاظ استعمال کرنا یا جھڑکنا بلکہ اف تک کہنا بھی حرام ہے کیونکہ ان سے نرم طریقہ اور تعظیم سے بھرپور باادب گفتگو کرنا اولاد پر فرض ہے۔

دوسری وجہ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس بھیجا تو انہیں فرعون کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى

(پ۱۶، سورۂ طٰہٰ، آیت ۴۴)

پس اس سے نرم بات کہنا اس امید پر کہ وہ نصیحت قبول کرلے یا کچھ ڈرے۔

دراصل اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ان کے بچپن میں پرورش کی تھی حق تربیت ادا کرنے کیلئے نرم رویے کے ساتھ گفتگو کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا لہٰذا اگر آزر سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ ہوتے تو انہیں بھی اس کے ساتھ نرم طریقے سے گفتگو کرنے کا حکم بطریق اولیٰ دیا جاتا۔

تیسری وجہ:۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ نرمی کے ساتھ دعوت حق دینا دلوں میں زیادہ موثر ثابت ہوتا ہے جبکہ سختی کے ساتھ تبلیغ کرنے سے لوگ متنفر ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور سید عالم فخر آدم و بنی آدم حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نرم طریقے سے تبلیغ کرنے اور دعوت حق دینے کا حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان

جادلهم بالتی هی احسن	سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو۔

(پ، س، آیت ۱۲۵)

لہٰذا اگر آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ہوتے، تو آپ کسی صورت میں اس کے ساتھ حق کی دعوت دینے میں سختی کا رویہ اختیار نہ فرماتے کیونکہ ایسا کرنا آپ کے لئے مناسب نہ تھا۔

چوتھی وجہ، چوتھی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفت حلیمی اور بردباری کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے

ان ابراھیم لحلیم اواہ منیب	بے شک ابراہیم تحمل والا بہت آہیں کرنے والا رجوع کرنے والا ہے۔

(پ، س، آیت ۷۵)

اس آیت مبارکہ سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہایت بردبار، بلند حوصلہ، متحمل مزاج، خوف خدا میں آہیں بھر بھر کر رونے والے اور ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھنے والے پیغمبر تھے تو ایسے بلند حوصلہ متحمل مزاج خلیل خدا کے لئے کیونکر مناسب ہو کہ وہ اپنے والد کے ساتھ اس قسم کا دل آزار اور ہتک آمیز رویہ اختیار فرماتے لہٰذا ان چار وجہوں سے ثابت ہو گیا کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ یعنی والد نہ تھے بلکہ وہ آپ کے چچا تھے کیونکہ آپ کے والد محترم حضرت تارخ تھے اور لفظ عم (چچا) کی جگہ پر لفظ اب (باپ) عربیہ میں بولا جاتا ہے (جیسے اردو اور پنجابی میں دادا ابو، تایا ابو، اور چچا ابو بولتے ہیں)، جیسا کہ ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں کہ علامہ رازی نے اس مقام سے کچھ پہلے لکھا ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے تو سب نے جواب دیا۔

قالوا نعبد الھک والہ	بولے ہم پوجیں گے اسے جو خدا

ہے آپ کا اور آپ کے آباء ابراہیم و اسماعیل و اسحاق کا۔)	اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ (پ ۱، س ۲، آیت ۱۳۳)

دیکھو یہاں اولاد یعقوب نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کا باپ قرار دیا ہے حالانکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے باپ نہ تھے بلکہ چچا تھے دلپس قرآن کریم سے ثابت ہو گیا کہ چچا کو باپ کہہ دیا جاتا ہے یونہی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چچا کو باپ کہہ کر خطاب کیا، علاوہ ازیں خود حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا باپ فرمایا ہے۔

چنانچہ آپ کا ارشاد ہے۔

رُدُّوْا عَلَيَّ اَبِيْ۔ میرا باپ (عباس) مجھے لوٹا دو۔

(تفسیر کبیر جلد چہارم ص۱ طبع دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ ۱۹۷۸ء)

یہ تھے امام رازی کی طرف سے دیئے گئے وہ دلائل جن سے ثابت ہوا کہ آزر حضرت ابراہیمؑ کے والد نہیں تھے بلکہ چچا تھے۔

خیال رہے کہ اس جگہ علامہ رازی نے مذکورہ بالا مستحکم دلائل پر دو بوگس قسم کے شکوک وارد کئے ہیں جو کہ آپ جیسے متبحر عالم دین کے لئے شایان شان نہیں تھے۔ بہر حال ہم ان کے شکوک کو اعتراضات کی شکل میں ذکر کر کے جوابات دیں گے جس سے ثابت ہو جائے گا کہ یہ شکوک و شبہات خود قرآن کریم کے بیان کے مطابق غلط ہیں۔

پہلا اعتراض: علامہ رازی فرماتے ہیں کہ ندا کی صورت میں اگرچہ منادی (جسے پکارا جائے) کو اس کے اصلی نام کے ساتھ پکارنا اس کی بے ادبی و گستاخی ہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ایسی گفتگو کرنی جائز تھی کیونکہ آزر کفر پہ ڈٹا ہوا تھا اور وہ کفر پر اصرار کرتا تھا اور ایسے شخص کے ساتھ سختی و درشتی سے پیش آنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ بہتر ہے۔ (تفسیر کبیر جلد چہارم ص۲)

پہلا جواب: اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ خود علامہ رازی قرآن مجید کا فرمان پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو نیز علامہ رازی یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ آیت بینہ کافر اور مسلم دونوں قسم کے ماں باپ کو شامل ہے لہذا ماں باپ مسلم ہوں خواہ غیر مسلم ہوں ہر حال میں ان کے ساتھ نیک سلوک کرنا اولاد کیلئے لازمی اور ضروری ہے تو حضرت ابراہیم کے لئے یہ کیسے جائز ہوگا کہ اپنے حقیقی باپ کی بے ادبی اور گستاخی کریں پھر علامہ رازی قرآن مجید کی اسی آیت کا اگلا حصہ نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

"ماں باپ کو اف تک نہ کہنا اور نہ ہی انہیں جھڑکنا اور ان سے محبت بھرے انداز میں تعظیم کی بات کرنا"

علامہ رازی نے یہاں بھی لکھا ہے کہ یہ آیت شریفہ بھی کافر و مسلم ہر قسم کے ماں باپ کو عام ہے یعنی ماں باپ مسلمان ہوں خواہ کافر ہوں انہیں اف تک بھی نہ کہنا اور انہیں کسی صورت میں بھی نہ جھڑکنا بلکہ ان سے ہر حال میں نرم طریقے سے محبت و پیار کے ساتھ باادب گفتگو کرنا ضروری اور لازمی ہے خواہ وہ نافرمان مسلمان ہوں خواہ کفر پر اصرار کرنے والے کافر ہوں لہذا ماں باپ کی بے ادبی و گستاخی کرنا یا ان سے دل آزار، اور ہتک آمیز گفتگو کرنا کسی صورت میں جائز نہیں بلکہ حرام ہے، ہاں البتہ اگر

ماں باپ اولاد کو کفر و شرک کی دعوت دیں یا شریعت محمدیہ علیہ التحیۃ و الثناء کے خلاف کوئی حکم دیں تو اولاد کے لئے اسے ماننا ہرگز جائز نہیں بلکہ اس صورت میں انکار کرنا لازمی ہو جائے گا یونہی اگر ماں باپ اسلام کو مٹانے کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری رسول مکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان جنگ میں آجائیں تو ان کو قتل کرنا اولاد کے لئے بھی جائز ہے لیکن ان صورتوں میں بھی ماں باپ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دینا اور اسلام کی بغاوت سے باز رکھنے کے لئے نصیحت کرنا اور سمجھانا اولاد پر فرض ہے۔

بہر حال علامہ رازی کا یہ شبہ اور اعتراض قرآن کریم کے خلاف ہے اس لئے ناقابل قبول اور باطل ہے۔

دوسرا جواب ، دوسرا جواب یہ ہے کہ نرم رویہ کے ساتھ دعوت حق دینا لوگوں کے دلوں میں زیادہ موثر ہوتی ہے جبکہ سخت رویہ کے ساتھ تبلیغ کرنے سے لوگ متنفر ہو جاتے ہیں اور دین حق کو قبول کرنے کی بجائے دور بھاگتے ہیں لہذا ایسی صورت میں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اور زیادہ ذمہ داری تھی کہ آزر جیسے سخت کافر کے ساتھ نہایت نرمی اور محبت و پیار سے پیش آتے لیکن آپ کا نرمی کی بجائے سختی سے پیش آنا دو باتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے ایک بات یہ کہ آزر آپ کے حقیقی باپ نہ تھے ورنہ زندگی بھر ہر حال میں انکی تعظیم کرتے اور سختی کی بجائے نرمی کرتے ، دوسری بات یہ ہے کہ آپ من جانب اللہ آزر کے ایمان سے مایوس ہو چکے تھے اور آپ جان چکے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے کبھی راہ راست پر نہیں آئے گا لیکن حق تبلیغ ادا کرنے کے لئے کبھی نرمی سے اور کبھی سختی سے تبلیغ فرماتے رہے اور اسے مسلسل نصیحت فرماتے رہے اور اس کے لئے استغفار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب وہ کفر کی حالت میں مر گیا تو اس سے بیزار ہو گئے اور پھر کبھی

اس کے لئے دعائے مغفرت نہ کی۔

چنانچہ خود قرآن کریم سے بھی اس بات کی تصدیق و تائید ملتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ

جب ابراہیم پر یہ راز کھل گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو آپ اس سے بیزار ہو گئے، بیشک ابراہیم ضرور آہیں کرنے والا متحمل ہے۔

(پ ۱۱، س ۹، آیت ۱۱۴)

خیال رہے کہ حضرت حکیم الامت علامہ مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ (جو صدر الافاضل فخر الاماثل حضرت العلام السید مفتی محمد نعیم الدین صاحب المراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ صاحب تفسیر خزائن العرفان کے فیض یافتہ شاگرد رشید ہیں) نے پہلے پارے میں سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۸۳ کے تحت اشرف التفاسیر المعروف بہ تفسیر نعیمی میں والدین کے مقام و منزلت اور تعظیم و تکریم کے بارے مختصر مگر جامع احکام ذکر کئے ہیں جن کو یہاں نقل کئے دیتا ہوں تاکہ قارئین کرام ان احکام کی روشنی میں خود اندازہ فرمالیں کہ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی باپ آزر ہوتے تو آپ کسی صورت میں انکے ساتھ سختی و درشتی سے پیش نہ آتے۔

چنانچہ قبلہ مفتی صاحب فرماتے ہیں۔

ماں باپ کی اطاعت میں چند ہدایات

ماں باپ کی اطاعت میں چند ہدایتوں کا خیال رکھو۔

پہلی ہدایت۔ اگرچہ ماں اور باپ دونوں کی اطاعت لازم ہے لیکن چونکہ ماں بچے کو اپنا خون پلا کر پالتی ہے اور باپ نے نہ پلا کر، اس لیے ماں کا حق خدمت باپ سے سات گنا زیادہ ہے، حدیث پاک میں ہے کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے دوسری روایت میں ہے کہ جنت تمہاری

ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

دوسری ہدایت۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر ماں باپ کی بھی اطاعت اور تعظیم کریں اس لئے کہ یہاں والدین میں ایمان کی قید نہیں لگائی گئی۔ نیز انکی اطاعت حق پرورش کی وجہ سے ہے اور یہ حق تو کافر ماں باپ میں بھی ہے۔

تیسری ہدایت۔ والدین کے ساتھ احسان تین قسم کا ہے

ایک یہ کہ اپنے قول وفعل سے انکو تکلیف نہ پہنچائے دوسرے یہ کہ بدن ومال سے ان کی خدمت کرے تیسرے یہ کہ جب وہ بلائیں تو فوراً حاضر ہو جائے۔ پہلی اطاعت بہرحال واجب ہے کہ ماں باپ کو ایذا ر اور تکلیف دینے والا عاق اور نافرمان کہلاتا ہے دوسری اطاعت جب واجب ہے کہ ماں باپ حاجتمند ہوں اور اولاد میں اس خدمت کی قدرت بھی ہو اگر انہیں حاجت نہیں یا اولاد میں طاقت نہیں تو اس قسم کی اطاعت بھی واجب نہیں۔ تیسری قسم کی خدمت کی یہ شرط ہے کہ انکی خدمت میں حاضر ہونے سے کوئی شرعی خرابی پیدا نہ ہو اگر نماز کا وقت جا رہا ہے ادھر ماں باپ بلا رہے ہیں تو ان کے پاس نہ جائے بلکہ پہلے نماز پڑھے۔

چوتھی ہدایت۔ ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کا جو حدیث مبارکہ میں آیا ہے وہ یہ ہے۔

(۱) ان سے دلی محبت رکھے۔

(۲) بات چیت اور اٹھنے بیٹھنے میں ان کا ادب کرے کہ راستے میں ان کے آگے نہ چلے اور ان کو نام لے کر نہ پکارے بلکہ ادب سے بلائے۔

(۳) جہاں تک ہو سکے اپنا مال وجان ان پر خرچ کرے۔

(۴) ہر کام اور ہر بات میں انکی رضامندی کا خیال رکھے۔

(۵) ان کے مرنے کے بعد ان کی وصیت پوری کرے۔

(۶) ان کے لئے بشرط ایمان، دعائے مغفرت کرے۔
(۷) ان کے لئے کبھی کبھی صدقہ وخیرات کرتا رہے۔
(۸) ہر ہفتہ میں انکی قبر کی زیارت کرے۔ اور اگر ہوسکے تو سورۂ یٰسین پڑھ کر ان کو بخشے۔
(۹) ان کے دوستوں اور قرابت داروں سے محبت رکھے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ سعادت مند بچے اپنے ماں باپ کے دوستوں کو ان کے بعد ماں باپ کی جگہ سمجھتے ہیں۔ (تفسیر عزیزی)

پانچویں ہدایت:۔ اگر ماں باپ گناہ کرنے کے عادی ہوں یا کسی بدمذہبی میں گرفتار ہوں تو ان کو نرمی کے ساتھ راہ راست پر لانے کی کوشش کرے

چھٹی ہدایت:۔ اگر ماں باپ کافر یا منافق بھی ہوں تب بھی ان کا حق مادری وپدری ادا کرے اور ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا باپ ابو عامر سخت کافر تھا آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کے قتل کی اجازت چاہی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اجازت نہ دی۔ (تفسیر کبیر وعزیزی)

ساتویں ہدایت:۔ جب ماں باپ کا اللہ تعالیٰ اور رسول کریم سے مقابلہ ہو جائے تو اس وقت نہ ماں باپ کا لحاظ ہوگا اور نہ قرابتدار کا، مثلاً ایک جنگ میں بیٹا غازی بن کر اور باپ کافروں کی طرف سے آیا ہے تو اب اس کے حق پدری کا لحاظ نہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ اور جناب رسول مکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا حق سب سے مقدم ہے اسی لئے جنگ احد میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ جراح کو قتل کیا اور جنگ بدر میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبد الرحمٰن کو جو اس وقت کافر تھے، اپنے مقابلہ کے لئے بلایا، اور حضرت علی مرتضےٰ حضرت امیر حمزہ اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم نے

اپنے اہل قرابت عتبہ اور شیبہ اور ولید کو قتل کیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر میں اپنے ماموں عاص ابن ہشام کو قتل کیا۔

(تفسیر خزائن العرفان آخر سورہ مجادلہ)

جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ہر مسلمان اپنے قرابت دار قیدی کو قتل کرے اس کی قرآن کریم میں تائید فرمائی۔

دیکھو سورہ انفال لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ الخ خلاصہ یہ ہے کہ کافر ماں باپ کی بھی اطاعت ضروری ہے مگر ان کا حق اللہ تعالیٰ اور جناب رسول مکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اور رسول مکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا حق مقدم ہوگا صحابہ کرام کا اپنے کافر ماں باپ کی اطاعت کرنا اور یا انہیں قتل کرنا مختلف موقعوں کے لحاظ سے ہے۔

دوسرا اعتراض۔ علامہ رازی نے دوسرا شبہ یہ وارد کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حضرت موسےٰ علیہ السلام کو فرعون کے ساتھ نرم رویہ سے تبلیغ کرنے کے حکم دینے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام اپنے پیچھے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنی قوم (بنی اسرائیل) پر اپنا خلیفہ بنا کر گئے تھے اس لیے یہ مقام سختی کرنے کا نہیں تھا بلکہ فرعون کو نرم رویہ سے تبلیغ کرنے کا مقام تھا اس لئے آپ کو نرم رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا تھا

(تفسیر کبیر جلد چہارم ص۲۰)

جواب۔ علامہ رازی کا یہ فرمانا کہ حضرت موسٰی علیہ السلام فرعون کے پاس جاتے وقت حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنی قوم پر اپنا خلیفہ بنا کر گئے تھے یہ بالکل باطل اور غلط ہے کیونکہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسٰی علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون سرکش ہو چکا ہے لہذا ید بیضا۔ اور عصائے مقدس کے معجزات لے کر اس کے پاس جاؤ اور اسے توحید کی دعوت

دو تو حضرت موسےٰ علیہ السلام نے درخواست کی کہ یا اللہ میری زبان میں لکنت ہے لہٰذا میرے ساتھ میرے بھائی حضرت ہارون کو نبوت عطا فرما کر، میرا معاون بنا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کی برکت سے کرم فرمایا کہ حضرت ہارون کو منصب نبوت پہ فائز فرما دیا پھر دونوں حضرات کو خدائی دعوے کرنے والے سرکش فرعون کے پاس بھیجا جیسا کہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۚ اِذْهَبَا اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۚ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى

تو اور تیرا بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ اور میری یاد میں سستی نہ کرنا۔ دونوں فرعون کے پاس جاؤ بے شک اس نے سرکشی کی، پس اس کو نرم بات کہنا اس امید پر کہ وہ نصیحت قبول کر لے یا کچھ ڈرے

(پ۱۶، س۲۰، آیت ۴۲ تا ۴۴)

ان آیات طیبات سے واضح ہو گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام، اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں حضرات فرعون کے پاس تبلیغ کرنے کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ علاوہ ازیں بنی اسرائیل تو اس وقت فرعون کے قبضہ میں غلامانہ زندگی گذار رہے تھے لہٰذا فرعون کے پاس جاتے وقت حضرت موسےٰ اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنی قوم پر خلیفہ کیسے بنا سکتے تھے۔ علامہ رازی کی یہ عبارت حسن ظن کے پیش نظر تسامح پر ہی مبنی قرار دی جا سکتی ہے۔

دراصل جس وقت حضرت موسےٰ علیہ السلام تورات شریف لینے کے لئے کوہ طور پر تشریف لے جانے لگے تھے تو اس وقت آپ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنی واپسی تک اپنا عارضی خلیفہ بنا کر گئے تھے جو بہت بعد کا واقعہ ہے۔

۳ علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اسی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

وَاسْتُدِلَّ بِالْآيَةِ عَلٰى اِيْمَانِ اَبَوَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا ذَهَبَ اِلَيْهِ كَثِيْرٌ مِّنْ اَجِلَّةِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَاَنَا اَخْشَى الْكُفْرَ عَلٰى مَنْ يَّقُوْلُ فِيْهِمَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَلٰى رَغْمِ عَلِيِّ الْقَارِيِّ وَاَضْرَابِهٖ

(تفسیر روح المعانی پ ۱۹ ص ۳۶ آیت ۱۱۹)

اور اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان پر جیسا کہ اہل سنت علماء کی اکثریت اسی مسلک پر ہے اور میں تو ڈرتا ہوں کہ آپ کے والدین کو کافر کہنے والے کہیں خود کافر نہ ہو جائیں جیسا کہ ملا علی قاری اور ان کے ہم خیال جو اس پر بضد ہیں۔

خیال رہے کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول سے بعد میں رجوع کر لیا تھا۔

۴۔ عارف باللہ علامہ شیخ احمد بن محمد صاوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَالْمَعْنٰى يَرَاكَ مُتَقَلِّبًا فِيْ اَصْلَابِ وَاَرْحَامِ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اٰدَمَ اِلٰى عَبْدِ اللّٰهِ فَاُصُوْلُهٗ جَمِيْعًا مُؤْمِنُوْنَ۔

تفسیر صاوی ص ۱۷۲ ج ۳

آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبد اللہ تک تمام مومنوں کی پشتوں اور شکموں میں تمہارے دورے کو دیکھ رہا ہے لہذا آپ کے تمام اصول یعنی آباؤ امہات مومن تھے۔

۵۔ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں

اَلْمُرَادُ مِنْهُ تَقَلُّبُكَ مِنْ اَصْلَابِ الطَّاهِرِيْنَ السَّاجِدِيْنَ

اس سے مراد یہ ہے کہ آپ طاہرین ساجدین للہ کے اصلاب سے طاہرات

لِلّٰهِ اِلٰى اَرْحَامِ الطَّاهِرَاتِ السَّاجِدَاتِ وَمِنْ اَرْحَامِ السَّاجِدَاتِ اِلٰى اَصْلَابِ الطَّاهِرِيْنَ الْمُوَحِّدِيْنَ وَالْمُوَحِّدَاتِ حَتّٰى يَدُلَّ عَلٰى اَنَّ آبَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔

تفسیر مظہری صفحہ ج ۷

ساجدات کے ارحام کی طرف اور پاکیزہ عورتوں کے رحموں سے پاکیزہ مردوں کی پشتوں کی طرف یعنی توحید پرست مردوں اور توحید پرست عورتوں میں منتقل ہوتے رہے یہاں تک کہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام آباد و اجداد مومن تھے۔

(۶) محقق علی الاطلاق علامہ شیخ محمد عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

وحدیث احیائے والدین اگرچہ در حد ذات خود ضعیف است لیکن تصحیح وتحسین کردہ اند آنرا بتعدد طرق واین علم گویا مستور بود از متقدمین پس کشف کرد آنرا حق تعالےٰ بر متاخرین۔

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاءُ بِمَا شَاءَ وَمِنْ فَضْلِهٖ

(اشعۃ اللمعات صفحہ ج ۱)

آپ کے والدین کریمین کے زندہ کرنے کی حدیث اگرچہ فی حد ذاتہ ضعیف ہے لیکن علماء محققین نے متعدد طریقوں سے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور اسکی خوب تحسین کی ہے گویا یہ علم (والدین کے ایمان کا) متقدمین سے پوشیدہ رہا پھر یہ علم اللہ تعالےٰ نے متاخرین پر منکشف فرمایا اور اللہ کریم اپنے فضل وکرم سے جسے جتنا چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص فرما لیتا ہے۔

(۷) مفتی مکہ مکرمہ علامہ السید احمد زینی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فَاِذَا سُئِلَ الْعَبْدُ عَنِ الْاَبَوَيْنِ الشَّرِيْفَيْنِ فَلْيَقُلْ هُمَا نَاجِيَانِ فِي

پس جب بھی کسی مسلمان آدمی سے حضور کے والدین کے متعلق سوال کیا

الْجَنَّةِ إِمَّا لِأَنَّهُمَا أُحْيِيَا حَتّٰى آمَنَا بِهٖ كَمَا جَزَمَ بِهِ الْحَافِظُ السُّهَيْلِيُّ وَالْقُرْطُبِيُّ وَنَاصِرُ الدِّيْنِ الدِّمَشْقِيُّ وَغَيْرُهُمْ مِنَ الْمُحَقِّقِيْنَ وَإِمَّا لِأَنَّهُمَا مَاتَا فِي الْفَتْرَةِ قَبْلَ الْبِعْثَةِ وَلَا تَعْذِيْبَ قَبْلَهَا۔

(سیرت نبویہ حاشیہ سیرت حلبیہ
ص ۱۷۰)

جائے تو وہ آدمی یوں کہہ دے کہ وہ دونوں حضرات نجات یافتہ اور جنتی ہیں یا تو اس لئے کہ وہ دونوں زندہ کئے گئے یہاں تک حضور پر ایمان لائے جیسا کہ علامہ سہیلی و علامہ قرطبی و علامہ ناصر الدین دمشقی وغیرہم نے اس پر جزم و یقین کیا ہے یا اس لئے کہ وہ دونوں بعثت و اعلان نبوت سے پہلے زمانۂ فترت میں انتقال فرما گئے اور بعثت سے پہلے لوگوں کو عذاب نہیں ہوگا۔"

(۸) امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

افضل القراء ام القراء میں فرماتے ہیں۔

اِنَّ اٰبَاءَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمَ غَیْرَ الْاَنْبِیَاءِ وَاُمَّھَاتَہٗ
اِلٰی اٰدَمَ وَحَوَّاءَ لَیْسَ فِیْھِمْ
کَافِرٌ لِاَنَّ الْکَافِرَ لَا یُقَالُ
فِیْ حَقِّہٖ اِنَّہٗ مُخْتَارٌ وَلَا کَرِیْمٌ
وَلَا طَاھِرٌ بَلْ نَجَسٌ وَقَدْ
صَرَّحَتِ الْاَحَادِیْثُ بِاَنَّھُمْ
مُخْتَارُوْنَ وَاَنَّ الْاٰبَاءَ
کِرَامٌ وَالْاُمَّھَاتِ طَاھِرَاتٌ
وَاَیْضًا قَالَ تَعَالٰی وَتَقَلُّبَکَ
فِی السَّاجِدِیْنَ عَلٰی اَحَدِ
التَّفَاسِیْرِ فِیْہِ اَنَّ الْمُرَادَ
تَنَقُّلُ نُوْرِہٖ مِنْ سَاجِدٍ
وَحِیْنَئِذٍ فَھٰذَا صَرِیْحٌ فِیْ
اَنَّ اَبَوَیِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰمِنَۃَ وَ
عَبْدَ اللّٰہِ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ
لِاَنَّھُمَا اَقْرَبُ الْمُخْتَارِیْنَ
لَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
وَھٰذَا ھُوَ الْحَقُّ بَلْ فِیْ
حَدِیْثٍ صَحَّحَہٗ غَیْرُ وَاحِدٍ

بلاشبہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم
کے سلسلہ نسب کریم میں جتنے انبیاء کرام
علیہم السلام ہیں وہ تو انبیاء ہی ہیں ان
کے سوا حضور کے جس قدر آباء و امہات
حضرت آدم و حوا علیہم الصلوٰۃ والسلام
تک ہیں، ان میں کوئی کافر نہ تھا کیونکہ
کافر کو پسندیدہ یا کریم یا پاک نہیں کہا جا
سکتا اور حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم
کے آباء و امہات کی نسبت حدیثوں میں
وضاحت فرمائی گئی ہے کہ وہ سب
پسندیدہ بارگاہ الٰہی ہیں اور بلاشبہ
تمام آباء کرام ہیں اور تمام مائیں پاکیزہ
ہیں اور آیت کریمہ وَتَقَلُّبَکَ فِی
السَّاجِدِیْنَ کی بھی ایک تفسیر یہی ہے
کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک
ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف
منتقل ہوتا آیا۔ پس اس سے صاف
ثابت ہوا کہ حضور کے والدین کریمین
حضرت آمنہ و حضرت عبداللہ رضی اللہ
عنہما جنتی ہیں کیونکہ وہ تو ان بندوں
میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حضور

مِنَ الْحُفَّاظِ وَلَمْ يَلْتَفِتُوْا لِمَنْ طَعَنَ فِيْهِ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اَحْيَاهُمَا فَاٰمَنَا بِهٖ (الخ)

(ماخوذ من شمول الاسلام)

اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے چنا تھا سب سے قریب تر ہیں، یہی قول حق ہے بلکہ ایک حدیث مبارکہ ہیں جسے حافظان حدیث نے صحیح کہا اور اس ہیں طعن کرنے والے کی بات کو قابل توجہ نہیں جانا یہ وضاحت موجود ہے کہ اللہ عزوجل نے آپ کے والدین کریمین کو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی خاطر زندہ فرمایا یہاں تک کہ وہ حضور پر ایمان لائے۔

(۹) حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الدرج المنیفہ فی الاباء الشریفہ" میں فرماتے ہیں۔

مُذْهَبُ جَمْعٍ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَئِمَّةِ الْاَعْلَامِ اِلٰی اَنَّ اَبَوَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاجِيَانِ مَحْكُوْمٌ لَّهُمَا بِالنَّجَاةِ فِي الْاٰخِرَةِ وَهُمْ اَعْلَمُ النَّاسِ بِاَقْوَالِ مَنْ خَالَفَهُمْ وَلَا يُقْصِرُ مِنْ عَنْهُمْ فِي التَّحْقِيْقِ وَمِنْ اَحْفَظِ النَّاسِ لِلْاَحَادِيْثِ وَالْاٰثَارِ وَاَنْقَدِ النَّاسِ بِالْاَدِلَّةِ الَّتِيْ اسْتَدَلَّ بِهَا اُولٰٓئِكَ

اکابر آئمہ دین کی بہت کثیر جماعت کا بھی مذہب یہی ہے کہ یقیناً حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین نجات یافتہ ہیں اور آخرت میں بھی انکی نجات یقینی ہے اور یہ اکابر آئمہ کرام مخالفین کے اقوال کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے نیز ان سے درجہ اور مرتبہ میں بھی کم نہیں تھے اور سب سے بڑھ کر احادیث نبوی اور آثار صحابہ کرام کے حافظ تھے اور ان دلائل کو خوب جانچنے والے تھے جن سے استدلال کیا کیونکہ یہ حضرات تمام فنون میں مختلف انواع علوم کے جامع

أنهم كانوا معروفين بالذكاء
العلم ومن المستحيل أن
يظن بهم أنهم لم يقفوا
على الأحاديث التي استدل
بها أولئك معاذ الله بل
وقفوا عليها وخاضوا
غمرتها وأجابوا عنها
بالأجوبة المرضية التي لا يردها
منصف وأقاموا لما ذهبوا
إليه أدلة قاطعة كالجبال
الرواسي (الخ) مختصرا

اور ماہر تھے اور ان کے بارے میں یہ گمان بھی نہیں ہوسکتا کہ وہ ان احادیث سے غافل تھے جن سے مخالفین نے استدلال کیا ہے، معاذ اللہ ایسا نہیں بلکہ وہ ضرور ان سے واقف تھے اور انکی تہہ تک پہنچنے میں اپنی عمریں گذار دیں اور ان کے وہ پسندیدہ جوابات دیئے جنہیں کوئی منصف مزاج رد نہ کرے گا اور والدین کریمین کی نجات پر ایسے دلائل قاطعہ قائم فرمائے جیسے کہ مضبوط جمے ہوئے پہاڑ جو کسی کے ہلائے نہیں ہل سکتے۔

(ماخوذ من شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام)

خیال میں رہے کہ یہاں ہم نے امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ [کی] صرف ایک کتاب کا حوالہ پیش کیا ہے ورنہ آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین کے ایمان اور نجات کے ثبوت پر آٹھ رسائل تصنیف فرمائے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

- التعظیم والمنۃ فی ان ابوی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی الجنۃ
- مسالک الحنفاء فی والدی المصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام
- المقامۃ السندسیۃ فی النسبۃ المصطفویۃ
- الدرج المنیفۃ فی الآباء الشریفۃ
- نشر العلمین المنیفین فی احیاء الابوین الشریفین
- الدر الکامنۃ فی اسلام السیدۃ الآمنۃ
- السبل الجلیۃ فی الآباء العلیۃ

۶ اثبات الاسلام لوالدی النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام
(البدین والنعمین فی تحقیق اسلام آباد سید الکونین صد ۲۲)

علاوہ ازیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک کتاب شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام کے صفحہ ۳۲ میں اسی مسئلہ کے متعلق امام سیوطی کی ایک اور کتاب سبل النجاۃ کا حوالہ بھی پیش فرمایا ہے اس طرح صرف نجات والدین کریمین پر امام جلال الدین سیوطی کے نو رسائل ہو گئے، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، آمین ثم آمین

(۱۰) رئیس الفقہا علامہ امین الدین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ رد المحتار علی الدر المختار باب المرتد میں فرماتے ہیں۔

اِنَّ نَبِیَّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ اَکْرَمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی بِحَیَاۃِ اَبَوَیْہِ لَہٗ حَتّٰی اٰمَنَا بِہٖ کَمَا فِیْ حَدِیْثٍ صَحَّحَہُ الْقُرْطُبِیُّ وَابْنُ نَاصِرِ الدِّیْنِ حَافِظُ الشَّامِ وَغَیْرُہُمَا فَانْتَفَعَا بِالْاِیْمَانِ بَعْدَ الْمَوْتِ عَلٰی خِلَافِ الْقَاعِدَۃِ اِکْرَامًا لِنَبِیِّہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَمَا اُحْیِیَ قَتِیْلُ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ لِیُخْبِرَ بِقَاتِلِہٖ وَکَانَ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ یُحْیِی الْمَوْتٰی وَکَذٰلِکَ نَبِیُّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَحْیَی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی

بلاشبہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ان کے والدین کریمین کو ان کے لئے زندہ فرما کر آپ کو مکرم و معزز فرمایا یہاں تک کہ وہ دونوں حضرات آپ پر ایمان لائے (اور شرف صحابیت حاصل کیا) جیسا کہ حدیث شریف میں ہے جسے علامہ قرطبی اور شام کے حافظ علامہ ناصر الدین وغیرہما نے صحیح قرار دیا، لہٰذا آپ کے والدین کریمین کا وفات کے بعد بھی خلاف قاعدہ ایمان سے نفع حاصل کرنا صرف حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا اکرام و اعزاز ہے جیسا کہ بنی اسرائیل کے مقتول کو زندہ کیا گیا تاکہ وہ اپنے قاتل کی خبر دے اور حضرت عیسٰے علیہ السلام مردوں

يُدْيِهِ جَمَاعَةٌ مِّنَ الْمَوْتٰى (الخ) ردالمختار عرف فتاویٰ شامی صفحہ ۲۹ ج ۳	کو زندہ کیا کرتے تھے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں بھی مردوں کی ایک بڑی جماعت کو زندہ کیا۔

خیال میں رہے کہ علامہ ابن عابدین شامی نے فتاویٰ شامی جلد ثانی باب نکاح الکافرین بھی جامع بحث کی ہے۔

(۱۱) علامہ ناصر الدین ابن المنیر مالکی اپنی ایک کتاب "المقتفی فی شرف المصطفیٰ" میں فرماتے ہیں۔

قَدْ وَقَعَ لِنَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْيَاءُ الْمَوْتٰى نَظِيْرُ مَا وَقَعَ لِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَجَاءَ فِي الْحَدِيْثِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا مُنِعَ مِنَ الْاِسْتِغْفَارِ لِلْكُفَّارِ دَعَا اللّٰهَ اَنْ يُّحْيِيَ لَهٗ اَبَوَيْهِ فَاَحْيَاهُمَا لَهٗ فَاٰمَنَا بِهٖ وَصَدَّقَا وَمَاتَا مُؤْمِنَيْنِ الحاوی للفتاوی صفحہ ۲۳ ج ۲	بلاشبہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا مردوں کو زندہ کرنا ایسا ہی واقع ہے جیسا کہ حضرت عیسٰے ابن مریم علیہ السلام کے لئے واقع ہے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو جب کافروں کے لئے استغفار سے روکا گیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میرے والدین کو زندہ فرما دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ فرمایا۔ اور وہ دونوں حضرات آپ پر ایمان لائے پھر وہ دونوں تصدیق کرتے ہوئے ایمان سے مشرف ہو کر اور مومن بن کر دوبارہ انتقال فرما گئے۔

(۱۲) شیخ الاسلام علامہ شرف الدین مناوی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ آپ سے جب پوچھا گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد ماجد کیا

جہنم میں ہیں؟ تو آپ نے اس سائل کو خوب جھڑکا اور ناراضگی کا اظہار فرمایا چنانچہ اس سائل نے پھر پوچھا کہ حضور کے والد کا اسلام کیا ثابت ہے؟
آپ نے فرمایا۔

اَنَّهٗ مَاتَ فِی الْفَتْرَةِ وَلَا تَعْذِیْبَ قَبْلَ الْبِعْثَةِ۔	بلاشبہ ان کا انتقال زمانہ فترت میں ہوا تھا اور بعثت سے پہلے فوت ہونے والے عذاب کے مستحق نہیں بنتے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ علماء اسلام کی اکثریت حضور نبی اکرم رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما کے ایمان اور انکی نجات کا کامل اعتقاد رکھتی ہے اور یہاں ان تمام علمائے کرام کے اقوال مبارکہ کی گنجائش بھی نہیں تاہم بعض ایسے علمائے کرام کے اسمائے گرامی کا ذکر کر دیتا ہوں جنہوں نے اس مسئلہ پر صراحت کے ساتھ بحث کی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین کا ایمان ثابت کیا ہے۔

(۱۳) امام ابو حفص عمر بن احمد بن شاہین جنکی علوم دینیہ میں تین سو تیس تصانیف ہیں جن میں تفسیر ایک ہزار جز ہیں اور مسند حدیث ایک ہزار تین جز ہیں۔

(۱۴) شیخ المحدثین حافظ ابو بکر احمد بن علی خطیب بغدادی۔

(۱۵) حافظ الشان محدث ماہر امام ابو القاسم علی بن حسن ابن عساکر۔

(۱۶) امام اجل ابو القاسم عبد الرحمٰن بن عبد اللہ سہیلی، صاحب الروض الانف۔

(۱۷) حافظ الحدیث امام محب الدین الطبری، جن کے متعلق علمائے دین فرماتے ہیں کہ امام ابو زکریا محی الدین یحییٰ بن شرف نووی کے بعد انکی مثل علم حدیث میں کوئی نہیں۔

(۱۸) علامہ شیخ نور الدین علی بن الجزار مصری، صاحب رسالہ تحقیق آمال الراجین فی ان والدی المصطفٰے بفضل اللہ تعالٰی فی الدارین من الناجین۔

(۱۹) حافظ الحدیث امام ابو الفتح محمد بن محمد ابن سید الناس، صاحب عیون الاثر۔

(۲۰) علامہ صلاح الدین صفدی۔

(۲۱) علامہ حافظ شمس الدین محمد ابن ناصر الدین دمشقی۔

(۲۲) شیخ الاسلام علامہ شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی۔

(۲۳) حافظ الحدیث امام ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی۔

(۲۴) امام ابو الحسن علی بن محمد ماوردی بصری، صاحب الحاوی الکبیر۔

(۲۵) امام ابو عبد اللہ محمد بن خلف مالکی، شارح صحیح مسلم شریف۔

(۲۶) امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر قرطبی، صاحب التذکرۃ بامور الآخرۃ۔

(۲۷) علامہ ابو عبد اللہ محمد ابن ابی شریف حسنی تلمسانی شارح الشفا بحقوق المصطفٰے۔

(۲۸) علامہ محقق سنوسی۔

(۲۹) امام اجل عارف باللہ سیدی عبد الوہاب شعرانی، صاحب الیواقیت والجواہر۔

(۳۰) علامہ احمد بن محمد بن علی بن یوسف فاسی، صاحب مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات۔

(۳۱) شیخ المحققین علامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی شارح مواہب اللدنیہ۔

(۳۲) امام اجل فقیہ اکمل محمد بن محمد کردری بزازی، صاحب المناقب۔

(۳۳) امام زین الفقہ علامہ محقق زین الدین بن نجیم مصری، صاحب الاشباہ والنظائر۔

(۳۴) علامہ سید شریف حموی، صاحب غمز العیون والبصائر۔

(۳۵) علامہ حسین محمد بن حسن دیار بکری، صاحب الخمیس فی نفس نفیس

صلے اللہ علیہ وسلم۔

(۳۶) علامہ محقق شہاب الدین احمد خفاجی مصری، صاحب نسیم الریاض۔

(۳۷) علامہ شیخ محمد الدین محمد بن طاہر بن علی حنفی، صاحب مجمع بحار الانوار۔

(۳۸) شیخ المحققین فی الہند علامہ محمد عبد الحق محدث دہلوی، صاحب اشعۃ اللمعات۔

(۳۹) علامہ . . . . . . صاحب کنز الفوائد

(۴۰) بحر العلوم ملک العلماء علامہ عبد العلی، صاحب فواتح الرحموت۔

(۴۱) علامہ سید احمد مصری طحطاوی محشی در المختار۔

(۴۲) حجۃ الاسلام امام محمد غزالی، صاحب احیاء العلوم۔

(۴۳) امام اجل قاضی ابو بکر باقلانی (ماخوذ من شمول الاسلام)

(۴۴) علامہ شیخ علی بن محمد طبری شافعی کیا ہراسی، صاحب کتاب التعلیق۔

(۴۵) امام حافظ صلاح الدین العلائی، صاحب الدرۃ السنیہ فی مولد خیر البریہ۔

(۴۶) شیخ الاسلام علامہ عز الدین ابن عبد السلام شافعی، صاحب الامالیہ (ماخوذ از الحاوی للفتاوی)

(۴۷) اعلٰے حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا خاں بریلوی، صاحب شمول الاسلام۔

(۴۸) صدر الافاضل، فخر الاماثل حضرت العلام السید محمد نعیم الدین المرادآبادی۔ صاحب تفسیر خزائن العرفان۔

(۴۹) حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی، صاحب اشرف التفاسیر۔

(۵۰) قدوۃ السالکین، سند المحدثین حضرت العلام السید احمد سعید الکاظمی صاحب میلاد النبی صلے اللہ علیہ وسلم۔

(۵۱) استاذ العلماء ابو الوفاء علامہ غلام رسول سعیدی، شارح صحیح مسلم شریف

اہل فترت کے لئے عذاب نہیں (بشرطیکہ شرک نہ کیا ہو)

خیال رہے کہ اہل فترت سے وہ حضرات مراد ہوتے ہیں جن کے پاس کوئی نبی یا رسول تشریف نہ لایا ہو جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضور پُر نور علیہ السلام کے اعلان نبوت تک کے زمانے کے لوگوں کو اہل فترت یا اصحاب فترت کہتے ہیں

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (پ۱۵، بنی اسرائیل آیت ۱۵)

اور ہم کسی قوم کو بغیر ان میں رسول بھیجے عذاب نہیں دیتے۔

خیال رہے کہ علامہ ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتم نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب تک پہلے کسی قوم پر حجت و دلیل قائم نہ فرمالے اس وقت تک کسی کو بھی عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا جس سے معلوم ہوا کہ مستحق عذاب وہ ہیں جنکو رسول خدا کی دعوت پہنچے اور اسکو قبول کرنے سے وہ انکار کردیں لیکن حضور کے والدین کو کسی رسول کی دعوت پہنچی ہی نہیں لہٰذا وہ مستحق عذاب یا جہنمی کیسے ہوسکتے ہیں بلکہ قرآن کریم نے تو ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ جب تک کسی قوم کے پاس دلیل الٰہی (یعنی رسول یا عقل سلیم) نہ پہنچ جائے اس وقت تک اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ظلم کے ساتھ عذاب میں مبتلا نہیں فرمائے گا۔ خیال رہے کہ علامہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مذکورہ بالا آیت کے علاوہ چند آیات کریمہ اسی ضابطہ کے ثبوت میں ذکر کی ہیں، ہم یہاں اختصار کے ساتھ وہ تمام آیات ذکر کر [illegible] الحاوی للفتاوی کی جلد دوم میں ملاحظہ فرمائیں۔

۲۔ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ (پ۸، انعام، آیت ۱۳۲)

یہ رسولوں کی بعثت، اس لئے ہے کہ تمہارا رب بستیوں کو ظلم سے ہلاک و تباہ نہیں کرتا کہ ان کے رہنے والے لوگ بے خبر ہوں

۳۔ وَلَوْلَا أَن تُصِيبَهُم مُّصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَيَقُولُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

(پ ۲۰، قص، آیت ۴۷)

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ جب کبھی، ان کے برے اعمال کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت (عذاب وغیرہ) نازل ہو جائے تو اس وقت، کہنے لگیں کہ اے پروردگار تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا تاکہ ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے اور ایمان لاتے۔

چنانچہ علامہ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت سند حسن کے ساتھ حضرت سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ زمانۂ فترت میں انتقال کرنے والا بارگاہ الٰہی میں عرض کرے گا کہ اے میرے رب میرے پاس نہ تو کوئی کتاب آئی تھی اور نہ ہی کوئی رسول تشریف لایا پھر حضور نے مذکورہ آیت تلاوت فرمائی۔

۴۔ وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُم بِعَذَابٍ مِّن قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ مِن قَبْلِ أَن نَّذِلَّ وَنَخْزَىٰ

(پ ۱۶، طٰہٰ، آیت ۱۳۴)

اگر رسول کے آنے سے پہلے ہم انہیں کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو ضرور کہتے کہ ہمارے رب تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیتوں پر چلتے قبل اس کے کہ ہم ذلیل و رسوا ہوتے۔

۵۔ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ

اور تمہارا رب شہروں کو ہلاک نہیں کرتا جب تک ان کے اصل مرجع (مرکزی مقام) میں رسول نہ بھیجے جو ان پر ہماری آیتیں تلاوت کرے اور ہم شہروں کو ہلاک نہیں کرتے

(پ۲، ۳؂، آیت ۵۱)

	مگر جب کہ ان کے رہنے والے ظالم ہو جائیں۔
۶ وَمَا أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنذِرُونَ ۝ ذِكْرَىٰ وَمَا كُنَّا ظَالِمِينَ	اور ہم نے ایسی کوئی بستی ہلاک نہیں کی جس کے لئے ڈرسنانے والے نہ آچکے ہوں یہ (قرآن) نصیحت ہے یاد دلانے کے لئے اور ہم کسی پر ظلم نہیں کرتے
پ۱۹، ۳؂، آیت ۲۰۸ تا ۲۰۹	
۷ وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ ۔	اور وہ اس میں چلاتے ہوں گے کہ اے رب ہمیں نکال تاکہ ہم اچھے کام کریں اس کے خلاف جو پہلے کرتے تھے جواب ملے گا کیا ہم نے تمہیں وہ عمریں نہ دی تھیں جس میں سمجھ لیتا جسے سمجھنا ہوتا اور تمہارے پاس تو ڈر سنانے والا تشریف لایا تھا پس اب (عذاب) کا مزہ چکھو کیونکہ ظالموں کا کوئی بھی مددگار نہیں۔
(پ۲۲، ۳؂، آیت ۳۷)	
۸ رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا، پ۶، ۳؂، آیت ۱۶۵	رسول خوشخبری دیتے اور ڈر سناتے ہیں تاکہ رسولوں کے بعد اللہ تعالیٰ کے سامنے لوگوں کو کوئی عذر نہ رہے اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

اہل فترت کی تقسیم کا بیان

خیال رہے کہ اہل فترت کی تین قسمیں ہیں جو حسب تفصیل مندرجہ ذیل ہیں۔

پہلی قسم ۔ اہل فترت میں سے ان لوگوں کی ہے جنہوں نے بصیرت سے توحید کو اپنایا اور اسی بصیرت سے توحید پر قائم رہے اور شرک و کفر سے دور رہے پھر انہی لوگوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو کسی شریعت میں داخل نہیں ہوئے بلکہ یہ لوگ توحید الٰہی اور عبادت خداوند قدوس کے احکام کے متلاشی رہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کا انتظار کرتے رہے جیسے قس بن ساعدہ ایادی اور زید بن عمرو بن نفیل وغیرہم نیز اسی طرح ان لوگوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں جو شریعت حقہ میں داخل ہوئے جن کے آثار قائم تھے جیسے تبع اور اس کی قوم حمیر میں سے اور اہل نجران نیز ورقہ بن نوفل کے چچا عثمان بن حویرث ہیں جنہوں نے دین نصرانیت کے منسوخ ہونے سے پہلے عہد جاہلیت میں نصرانیت کو اختیار کر لیا تھا۔

دوسری قسم ۔ اہل فترت سے ان لوگوں کی ہے جنہوں نے توحید کے عقیدہ کو بدل ڈالا اور اس میں تغیر پیدا کر دیا اور شرک کو اختیار کر لیا غرضیکہ عقیدہ توحید پر قائم نہ رہے بلکہ خواہشات نفسانی کی خاطر خود ایک شریعت بنا کر خود جس کو چاہا حلال کر دیا جس کو چاہا حرام کر دیا اور یہ لوگ اکثر اہل عرب سے تھے جیسے عمرو بن لحی ہے یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے اہل عرب کے لئے بتوں کی عبادت کرنے کا طریقہ ایجاد کیا تھا اور اسی پر نصیب انسان نے مکہ مکرمہ میں بت نصب کئے یہاں تک کہ اس نے بحیرہ، سائبہ، حام، وصیلہ نام کے جانوروں کو بتوں کے لئے نامزد کر کے از خود حرام قرار دیا تھا اور اہل عرب نے اس کی پیروی کی اور اس کے علاوہ بہت سے امور ہیں جن کو اس نے ایجاد کیا تھا۔

تیسری قسم ۔ اہل فترت سے ان لوگوں کی ہے جنہوں نے نہ تو شرک کیا اور نہ توحید سے واقف ہو سکے اور نہ کسی پیغمبر کی شریعت میں داخل ہوئے نہ ہی انہوں نے اپنے لئے کوئی نئی شریعت اختراع کی

بلکہ یہ لوگ ساری زندگی غفلت میں رہے اور زمانہ جاہلیت کے جو لوگ ان طریقوں پر رہتے رہے وہ بھی اسی تیسری قسم میں داخل ہیں لہٰذا اب جب کہ اہل فترت تین قسموں پر منقسم ہوئے تو اہل فترت میں سے جن لوگوں کے لیے صحیح احادیث میں عذاب کا ذکر ہوا ہے (جیسے عمرو بن لحی، اور صاحب محجن) تو ان کو اہل فترت کی دوسری قسم پر محمول کیا جائے گا کیونکہ انہوں نے کفر و شرک اختیار کیا تھا اور اعمال خبیثہ کی وجہ سے حق سے تجاوز کر لیا تھا چنانچہ اللہ تعالےٰ نے ایسے لوگوں کو کافر و مشرک قرار دے کر جہنمی ٹھہرایا ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۝ (پ، ش، آیت ۱۱۶)

اور لیکن انہوں نے تو کفر کیا ہے اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے اور ان میں اکثر لوگ بے وقوف ہیں۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (پ، ش، آیت ۱۰۳)

بے شک اللہ تعالیٰ اس کو ہرگز نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے سوا جسے چاہے گا معاف کر دیگا

لیکن تیسری قسم کے لوگ تو ان کے متعلق تمام علماء کا اتفاق ہے کہ ان کو کسی قسم کا عذاب نہیں ہوگا اور چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین کی پوری زندگی میں شرک و بت پرستی ثابت نہیں ہے لہٰذا یہ دونوں حضرات دوسری قسم میں ہرگز شامل نہیں ہیں لیکن اگر ان دونوں حضرات کو اہل فترت کی تیسری قسم میں شامل کیا جائے (جیسے علامہ قسطلانی نے مواہب میں کیا ہے) تو بالاتفاق ناجی اور جنتی قرار پائیں گے

نیز ان دونوں صاحبان کے درمیان اور سابقہ انبیائے کرام کے درمیان بہت بُعد رہا ہے اور یہ دونوں صاحبان جاہلیت کے اس زمانہ میں تھے جبھیں مشرق سے لے کر مغرب تک جہالت ہی جہالت تھی جو لوگ شریعت کو جانتے تھے وہ نایاب ہو گئے تھے اور دعوت توحید دینے اور تبلیغ دین دینے والا کوئی نہیں تھا مگر چند علماء، اہل کتاب میں سے مکہ مکرمہ کے علاوہ دوسرے شہروں میں جیسے شام وغیرہ ممالک میں پھیلے ہوئے تھے لیکن ان دونوں کو سوائے مدینہ طیبہ کے کہیں دوسری جگہ سفر کرنے کا موقع نہیں ملا پھر نہ ہی ان کو ایسی دراز عمر ملی تاکہ یہ دین حق کی جستجو کرتے اور نیز آپ کی والدہ ماجدہ پردہ نشین تھیں مردوں کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی تھیں کہ شرائع کے احوال معلوم کر سکتیں باقی رہے پہلی قسم کے لوگ جیسے قیس بن ساعدہ ایادی اور زید بن عمرو بن نفیل تو ان کے متعلق خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر ایک تنہا ایک امت کے درجہ میں اٹھے گا البتہ عثمان بن حویرث اور تبع، نیز اس کی قوم جو حمیر میں سے تھی اور اہل نجران ان سب کا حکم ان اہل دین کے حکم کے مطابق ہے جو اس دین میں داخل ہوئے ہیں جب تک ان میں سے کوئی شخص کل ادیان کے ناسخ دین اسلام سے لاحق نہیں ہوا اب اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین کو اس پہلی قسم میں شامل کیا جائے تو چونکہ انہوں نے نصرانیت تو اختیار کی ہی نہیں تھی لہذا موحد اور مومن ہی ٹھہرے اور یہی قول محتاط و صحیح ہے۔

(ملخوذ بتصرف از مواہب لدنیہ)

اعتراضات وجوابات

اعتراض نمبرا: مذکورہ بالا دلائل سے تو ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام آباؤ امہات موحد اور مومن تھے حالانکہ حضور کے اجداد کرام

ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ہیں جن کے باپ آزر نہ صرف بت پرست تھے بلکہ بت تراش بھی تھے لہذا یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کے تمام آباؤ اجداد موحد اور مومن ہوں۔ ؟

جواب: آزر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا والد نہ تھا بلکہ چچا تھا جیسا کہ عارف باللہ علامہ شیخ صاوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں۔

وَاَجَابَ بَعْضُهُمْ اَيْضًا بِنَعَمْ اَنَّ اٰزَرَ اَبُوْهُ بَلْ كَانَ عَمَّهٗ وَكَانَ كَافِرًا وَتَارِخُ اَبُوْهُ مَاتَ فِى الْفَتْرَةِ وَلَمْ يَثْبُتْ سُجُوْدُهٗ بِصَنَمٍ وَاِنَّمَا سَمَّاهُ اَبًا عَلٰى عَادَةِ الْعَرَبِ مِنْ تَسْمِيَةِ الْعَمِّ اَبًا وَفِى التَّوْرٰةِ اِسْمُ اَبِىْ اِبْرَاهِيْمَ تَارِخُ

(تفسیر صاوی صہ ۲۹ ج ۲)

بعض مفسرین نے یہ جواب دیا ہے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہ تھا بلکہ چچا تھا اور کافر تھا اور آپ کے والد تارخ تھے جو کہ زمانہ فترت میں وفات پاچکے تھے نیز انہوں نے کسی بت کے سامنے کبھی بھی سجدہ نہیں کیا تھا اور چچا کو باپ اس لئے کہا گیا ہے کہ عرب کی عادت ہے کہ چچا کو باپ کہتے ہیں اور اس کے علاوہ تورات میں مرقوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ تارخ ہیں۔

بلکہ قرآن کریم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِىْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ

جب یعقوب نے اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے تو انہوں نے کہا ہم عبادت کریں گے تمہارے اس معبود کی جو

(پ ، سؔ ، آیت ۱۳۳) | تمہارے آبا ابراہیم و اسماعیل اور اسحاق کا بھی معبود ہے۔

اس آیت کریمہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کے آبا، (باپوں) میں ذکر کیا گیا ہے حالانکہ وہ تو چچا تھے یہی وجہ ہے کہ محققین علماء فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ کہا گیا ہے وہاں بھی چچا مراد ہے جیسا کہ اس مذکورہ بالا آیت کے تحت علامہ جلال الدین محلی شافعی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر جلالین میں فرماتے ہیں۔

وَعَدُّ اِسْمَاعِيْلَ مِنَ الْاٰبَآءِ تَغْلِيْبٌ وَّلِاَنَّ الْعَمَّ بِمَنْزِلَةِ الْاَبِ

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے آباء میں شمار کرنا بطور غلبہ کے ہے کیونکہ چچا بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ تفسیر خازن، تفسیر مدارک، تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے چچا حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو اَبٌ یعنی باپ کہہ کر پکارا ہے جس سے ثابت ہوا کہ لفظ اَبٌ صرف باپ ہی کے لئے نہیں بلکہ چچا کے لئے بھی بولا جاتا ہے البتہ لفظ والد صرف باپ ہی کے لئے بولا جاتا ہے اور آزر کو پورے قرآن کریم میں کہیں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں کہا گیا جس سے معلوم ہوا کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا بلکہ چچا تھا چنانچہ علامہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے آزر کے باپ نہ ہونے پر جو دلائل اپنی کتاب الحاوی للفتاوے میں ذکر کئے ہیں ان میں سے کچھ دلائل یہاں پر درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) امام ابن ابی حاتم حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا

إِنَّ أَبَا إِبْرَاهِيمَ لَمْ يَكُنْ اِسْمُهُ آزَرَ وَإِنَّمَا كَانَ تَارِخُ	بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر نہیں تھا بلکہ تارخ تھا۔

۲. علامہ ابن ابی شیبہ اور علامہ ابن المنذر نیز علامہ ابن ابی حاتم نے صحیح طرق کے ساتھ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا۔

لَيْسَ آزَرُ أَبَا إِبْرَاهِيمَ	یعنی آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں تھا۔

۳. علامہ ابن المنذر صحیح سند کے ساتھ حضرت جریج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ (کہ جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا) کے تحت فرمایا لَيْسَ بِأَبِيهِ إِنَّمَا هُوَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ تِيرَحَ أَوْ تَارِحَ بْنِ شَارُوخَ بْنِ نَاحُورَ بْنِ فَالِخَ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ آزر نہیں تھا کیونکہ ان کا نام تیرح یا تارخ بن شاروخ بن ناحور بن فالخ ہے۔

(۴) امام ابن ابی حاتم صحیح سند کے ساتھ حضرت سدی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

أَنَّهُ قِيلَ لَهُ اِسْمُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ آزَرُ فَقَالَ بَلْ اِسْمُهُ تَارِخُ.	بے شک (جب) ان سے کہا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ آزر ہیں تو انہوں نے فرمایا نہیں بلکہ ان کا نام تارخ ہے۔

(۵) علامہ امام ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں صحیح سند کے ساتھ حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ گلزار ہوئی تو آپ کے چچا آزر نے کہا کہ کس نے ایسی

سے آگ کو دفع کر دیا فوراً اسی وقت اللہ تعالیٰ نے اس پر آگ کا ایک شرارہ بھیجا جس نے آزر کو جلا کر راکھ کر دیا۔

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ آزر ان دنوں ہلاک ہو گیا تھا جن دنوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم (پ، ۱۱ آیت ۱۱۴) میں خبر دی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جب یہ حقیقت آشکارہ ہو گئی کہ آزر اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو آپ نے اس کے لئے دعا مغفرت کرنا ترک کر دی۔

۱۔ علامہ ابن ابی حاتم نے ایک روایت صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ ابن عباس اور دوسری روایت حضرت محمد بن کعب، حضرت قتادہ، حضرت مجاہد، حضرت حسن بصری وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نقل کرتے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آزر کی زندگی میں اس کے توحید قبول کرنے کی امید پر اس کے لئے استغفار کرتے رہے لیکن جس وقت آزر حالت شرک میں مر گیا تو اس وقت آپ پر یہ بات منکشف ہوئی کہ آزر اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے بیزار ہو گئے اور اس کے بعد آپ نے کبھی اس کے لئے دعاء مغفرت نہیں کی اور یہ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے واقعہ آگ کے بعد شام کی طرف ہجرت فرمائی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ (پ ۲۳، ع ۳، آیت ۹۹)	اور کہا کہ میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں اب وہ مجھے راہ دے گا۔

پھر ہجرت کے کافی دیر بعد آپ مصر تشریف لے گئے اور وہاں مصر کے بادشاہ کے ساتھ حضرت سارہ کی وجہ سے ملاقات کا اتفاق ہوا اور اس نے آپ کی خدمت میں حضرت ہاجرہ دے دی پھر آپ مصر سے ملک شام واپس چلے گئے جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے پھر آپ کو اللہ تعالیٰ نے

۔

حکم دیا کہ آپ اپنی زوجہ محترمہ اور اپنے لخت جگر اسمٰعیل علیہ السلام کو لے جا کر مکہ مکرمہ میں چھوڑ آئیں چنانچہ آپ نے حکم خدا کے مطابق دونوں ماں بیٹے کو اپنے ساتھ لیا اور مکہ مکرمہ میں جاکر بیت اللہ شریف کے پاس جہاں اب آب زمزم ہے چھوڑا اور واپس روانہ ہوتے وقت آپ نے خانہ کعبہ کے پاس بارگاہ الٰہی میں یہ دعا مانگی۔

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ (پ ۱۳، سُ ، آیت ۳۷)	اے رب میں نے اپنی کچھ اولاد ایک ایسی وادی میں بسا دی ہے جس میں کھیتی نہیں ہوتی تیرے حرمت والے گھر کے پاس۔

اس دعا کے آخر میں آپ نے یہ دعا بھی فرمائی۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ (پ ۱۳، سُ ، آیت ۴۱)	اے رب مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور سب مسلمانوں کو جس دن حساب قائم ہو۔

خیال رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے چچا آزر کے ہلاک ہو جانے اور مدت دراز گذر جانے کے بعد اپنے والدین کے لئے دعاء مغفرت کرنا اس

لے۔ خیال رہے کہ یہ صیغہ تثنیہ کا ہے اصل میں والدین تھا یائے متکلم آخر میں آنے کی وجہ سے نون تثنیہ گر گیا ہے کیونکہ نون انفصال کا مقتضی ہے جبکہ اضافت میں اتصال ہوتا ہے لہٰذا جب لفظ والدین کو یائے متکلم کی طرف مضاف کیا تو نون گر گیا اور بن گیا والدیی اب پہلی یا کو دوسری یا میں مدغم کر دیا گیا کیونکہ دو حرف ایک جنس کے جمع ہو گئے جن میں پہلا ساکن دوسرا متحرک ہے لہٰذا ادغام واجب ہو گیا ہے پس بن گیا وَلِوَالِدَیَّ اگر صرف والدہ مراد ہوتی تو لفظ ہوتا ولوالدتی جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وَبَرًّا بِوَالِدَتِیْ نیز اگر یہ کہا جائے کہ قرأت میں لفظ مفرد ہے یعنی وَلِوَالِدِیْ تو اس کا جواب ہے کہ یہ صورت ہمارے حق میں جاتی ہے کیونکہ یہ لفظ مفرد مذکر ہے لہٰذا حقیقی باپ مراد ہوگا۔

بات کی روشن دلیل ہے کہ آزر آپ کا والد نہیں تھا بلکہ چچا تھا کیونکہ قرآن کریم سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آزر کے لئے دعاء مغفرت کرنے سے منع کر دیا گیا جس کی وجہ سے آپ نے آزر سے بیزاری کا اظہار کر دیا۔

(۷) علامہ ابن سعد نے طبقات میں حضرت ہشام بن محمد کلبی سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے فرمایا جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بابل شہر سے ملک شام کی طرف ہجرت کی تھی اس وقت حضرت کی عمر شریف سینتیس سال کی تھی پھر آپ حران میں تشریف لائے اور یہاں ایک مدت تک قیام فرمایا پھر اردن ہجرت فرما گئے اور وہاں بھی ایک مدت تک قیام فرمایا پھر واپس ملک شام جا کر فلسطین اور ایلیا کے درمیان سرزمین سبع میں نزول فرمایا مگر یہاں کے رہنے والوں نے آپ کو ستانا شروع کر دیا جس کی وجہ سے آپ نے یہاں سے رملہ اور ایلیا کے درمیان ایک منزل پر سکونت اختیار فرمائی۔

(۸) علامہ ابن سعد نے امام واقدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اس وقت آپ کی عمر شریف نوے سال کی تھی۔

لہٰذا ان دونوں روایتوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ واقعہ آگ کے بعد بابل شہر سے ہجرت کرنے اور مکہ مکرمہ میں آکر بیت اللہ شریف کے پاس اپنے والدین و دیگر مومنوں کے لئے دعاء مغفرت کرنے کے درمیان پچاس سال سے کچھ زیادہ (۵۳) برس کی مدت کا فاصلہ ہے۔

(الحاوی للفتاوی ص۲۱۳ تا ۲۱۵ ج۲)

جس سے معلوم ہوا کہ اگر آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ہوتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام انکی موت کے پچاس برس بعد ان کے لئے دعاء مغفرت نہ کرتے کیونکہ آپ کو ان کے لئے دعائے مغفرت کرنے سے منع کر دیا گیا تھا اور بابل شہر میں اس کی ہلاکت کے وقت آپ نے بیزاری کا اظہار

کر دیا تھا اور دعائے مغفرت بھی ترک کر دی تھی پھر اتنی طویل مدت گذر جانے کے بعد دعاءِ مغفرت کرنا حقیقی والدین کے لئے ہی ہو سکتا ہے پس ثابت ہو گیا کہ آزر آپ کا چچا تھا نہ کہ والد بلکہ حضرت ابراہیم کے والد تارخ اور والدہ متلی بنت نمر ہیں اس کے علاوہ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ علامہ امام فخر الدین الرازی نے اور علامہ زرقانی نے اپنی کتاب شرح مواہب لدنیہ میں کہا کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ نہ تھے بلکہ چچا تھے جیسا کہ علامہ شہاب الدین الہیثمی نے تصریح کر دی ہے کہ تمام اہل کتاب اور مؤرخین کا اجماع ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا تھے نیز لغت کی مشہور و معروف کتاب القاموس میں لکھا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کے چچا کا نام ہے۔

(خلاصہ از تفسیر مظہری صفحہ ۲۵۶ ج ۳)

اس آیت کے تحت علامہ قاضی ثناء اللہ مظہری پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

هٰذِهِ الْاٰيَةُ تَدُلُّ عَلٰى اَنَّ وَالِدَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَا مُسْلِمَيْنِ وَاِنَّمَا كَانَ اٰزَرُ عَمًّا لَّهٗ وَكَانَ اِسْمُ اَبِيْ اِبْرَاهِيْمَ تَارَخَ كَمَا ذَكَرْنَا فِيْ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ وَلِاَجْلِ دَفْعِ التَّوَهُّمِ اَنَّ (قَالَ وَالِدَيَّ يَعْنِيْ مَنْ وَلَدَنِيْ حَقِيْقَةً فَاِنَّ الْاَبَ يُطْلَقُ عَلَى الْعَمِّ مَجَازًا

تفسیر مظہری جلد خامس؛

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے والدین مسلمان تھے کیونکہ آزر آپ کے چچا تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا جیسا کہ ہم نے سورۂ بقرہ میں ذکر کر دیا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے آزر کے باپ ہونے کے شبہ کو دور کرنے کے لئے اَبَوَیَّ کی بجائے وَالِدَیَّ فرمایا ہے یعنی جو میرے حقیقی ماں باپ ہیں کیونکہ لفظ اب عموماً چچا پر بولا جاتا ہے

حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں۔

یہاں والدین سے مراد جناب ابراہیم کے سگے والد تارخ اور آپ کی والدہ متلی بنت نمر ہیں یہ دونوں مومن تھے ان کے لئے آپ نے بڑھاپے میں دعائے مغفرت کی یعنی حضرت اسمٰعیل و اسحاق کی ولادت کے بعد آزر آپ کا دور کا چچا تھا جس سے آپ اپنی جوانی ہی میں بیزار ہو چکے تھے اور وہ کفر پر مر چکا تھا۔ قرآن مجید میں ابٌ اور امٌّ، ماں، باپ، دادی، دادا چچا وغیرہ سب کو کہہ دیا جاتا ہے مگر والدین صرف سگے ماں باپ کو ہی کہا جاتا ہے۔ (تفسیر نور العرفان)

اعتراض ۲۔ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کاش میں اپنے والدین کا انجام معلوم کر لیتا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ | اور آپ سے دوزخ والوں کے بارے میں سوال نہ ہوگا۔

(پ۱، ع۱، آیت ۱۱۹)

اس کے بعد آپ نے کبھی اپنے والدین کا ذکر نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ وہ (معاذ اللہ) جہنمی ہیں۔؟

جواب۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ روایت کسی معتبر اور معتمد کتاب میں ذکر نہیں کی گئی اور نیز یہ حدیث ضعیف ہے جس سے کفر جیسا مسئلہ ثابت نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے لہذا یہ آیت آپ کے والدین کے متعلق نازل نہیں ہوئی ورنہ یہ آیت گذشتہ آیات اور آئندہ آیات سے بے ربط ہو جائے گی کیونکہ اس سے پہلے اہل کتاب کا ذکر ہو رہا ہے اور اس کے بعد بھی اہل کتاب کا ذکر ہو رہا ہے یہی وجہ ہے کہ امام سیوطی فرماتے ہیں اِنَّ الْمُرَادَ بِاَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ کُفَّارُ اَھْلِ الْکِتٰبِ یعنی اس آیت میں اصحاب جحیم سے اہل کتاب کے کفار مراد ہیں

(الحاوی للفتاوی ص ۲۲۴ ج ۲)

اعتراض (۳) مشکوٰۃ شریف باب زیارۃ القبور میں روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی رولا دیا پھر فرمایا کہ میں نے انکی مغفرت کے لئے رب سے اجازت چاہی تو نہ ملی اور انکی قبر کی زیارت کی اجازت چاہی تو مل گئی جس سے معلوم ہوا کہ آمنہ خاتون (معاذ اللہ) مومنہ نہیں ہیں۔

جواب۔ یہ حدیث تو خود ہمارے دعوے کی تائید کرتی ہے۔ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ ماجدہ موحدہ اور مومنہ نہ ہوتیں تو اللہ تعالےٰ پہلے سے ہی قبر پر جانے سے روک دیتا یا پھر زیارت قبر کے بعد منع کر

دیتا کہ کسی کافر کی قبر پر نہیں جانا جیسا کہ جب آپ عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین کی نماز جنازہ پڑھانے تشریف لے جانے لگے تو حضرت عمر فاروق نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ شخص اللہ اور اس کے رسول کا مخالف ہے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھائیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے قوی امید ہے کہ اس کی قوم میں سے ایک ہزار آدمی۔ میرے اس برتاؤ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرلے گا۔ چنانچہ آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھا دی اور ایک ہزار آدمی اس کی قوم میں سے مسلمان ہو گیا۔ (تفسیر مظہری)

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے آئندہ کسی کافر کی نماز جنازہ پڑھنے اور اس کی قبر پر کھڑا ہونے سے منع کر دیا۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے ولا تصل علیٰ احد منھم مات ابدا ولا تقم علیٰ قبرہ اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا لہٰذا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی والدہ کی قبر کی زیارت سے منع نہ کرنا اس بات کی روشن ترین دلیل ہے کہ وہ موحدہ اور مومنہ تھیں اس دلیل کے بعد کسی قسم کا شک وشبہ نہیں رہنا چاہیے۔

باقی رہا یہ سوال کہ دعائے مغفرت کی اجازت کیوں نہ ملی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اجازت نہ ملنا اس لئے نہیں تھا کہ معاذ اللہ وہ کافرہ تھیں بلکہ اس لئے کہ آپ کی والدہ بے گناہ ہیں کیونکہ گنہگار تو وہ ہو جس کے پاس شرعی احکام پہنچیں اور وہ ان کی مخالفت کرے اور ان کے مطابق عمل نہ کرے لیکن آپ کے والدین تک تو شریعت کے احکام پہنچے ہی نہیں، رہا حضور کا گریہ فرمانا تو وہ محبت فرزندی کے جوش میں تھا کہ آج وہ زندہ ہوتیں تو ہماری اس شان کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتیں۔

(اشرف التفاسیر)

اعتراض (۳۴) ایک بار حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کی زیارت کی اجازت چاہی تو اس نے مجھے اجازت دے دی پھر میں نے دعائے مغفرت کی اجازت چاہی تو مجھے اجازت نہ ملی اور یہ آیت نازل ہوئی۔

ماکان للنبی والذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربی (پ ۱۱ ع ۳ آیت ۱۱۳)	نبی اور ایمان والوں کو لائق نہیں کہ مشرکوں کی بخشش چاہیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہوں۔

جواب۔ یہ وجہ شان نزول کی صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث حاکم نے روایت کی اور صحیح بتایا اور علامہ ذہبی نے حاکم پر اعتماد کر کے میزان میں اس کی تصحیح کر دی لیکن مختصر المستدرک میں خود علامہ ذہبی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا اور فرمایا کہ اس حدیث کے ایک راوی ایوب ابن ہانی کو علامہ ابن معین نے ضعیف قرار دیا ہے نیز یہ حدیث بخاری شریف و مسلم شریف کی حدیث کے مخالف بھی ہے جس میں اس آیت کے نزول کا سبب آپ کا اپنی والدہ کے لئے استغفار کرنا نہیں بتایا بلکہ صحیح بخاری شریف نیز مسلم شریف کی حدیث سے ہی ثابت ہے کہ ابوطالب کے لئے استغفار کرنے کے بارے میں یہ آیت وارد ہوئی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ابوطالب کے لئے دعائے مغفرت کرنے سے اس آیت کے ذریعے منع کر دیا گیا نیز اس کے علاوہ جس قدر اس مضمون کی احادیث ہیں جن کو طبرانی اور ابن سعد اور ابن شاہین وغیرہم نے روایت کی ہیں وہ تمام کی تمام ضعیف ہیں چنانچہ علامہ ابن سعد نے طبقات میں اس حدیث کے تخریج کے بعد اس کو غلط قرار دیا ہے نیز سند المحدثین علامہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ التعظیم المنہ میں اس مضمون کی تمام احادیث کو معلول قرار

دیا ہے۔ تفسیر مظہری صفحہ ۳۰۰ تا ۳۰۱ ج ۴، سیرت نبویہ صفحہ ۶۴ تفسیر خزائن العرفان

اعتراض ۵) حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں کہ حضور کے والدین نے کفر پر وفات پائی۔ امام صاحب کے قول کے ہوتے ہوئے حنفیوں کو حق نہیں کہ ان کو مومن مانیں۔

جواب۔ فقہ اکبر کے نسخوں میں بہت اختلاف ہے چنانچہ بعض نسخوں میں ہے کہ ماتا علی الکفر یعنی وہ دونوں کفر پر فوت ہوئے اور بعض میں ہے ما ماتا علی الکفر یعنی ان کا انتقال کفر پر نہیں ہوا اور بعض نسخوں میں تو یہ مسئلہ بالکل ہے ہی نہیں، چنانچہ مولانا وکیل احمد صاحب سکندر پوری نے فقہ اکبر کا نہایت صحیح نسخہ حیدر آباد سے حاصل کر کے چھپوایا اور ثابت کیا کہ یہ نسخہ صحیح ہے اور باقی نسخے غلط ہیں لیکن اس نسخہ میں اس مسئلہ کا پتہ بھی نہیں نیز بعض نسخوں میں ہے کہ ماتا علی الفطرۃ یعنی یہ دونوں حضرات دین فطرت (توحید) پر دنیا سے رخصت ہو گئے اتنے اختلاف کے ہوتے ہوئے ایک نسخہ پر کیسے یقین کیا جائے اور بالفرض اگر صحیح مان بھی لیا جائے تو یہ مسئلہ اجتہادی ہے تقلیدی نہیں تاکہ اس میں امام صاحب کی پیروی واجب ہو بلکہ یہ تاریخی واقعہ ہے لہٰذا اگر اس کے خلاف ثابت ہو جائے تو اسی کو مانا جائے۔ (اشرف التفاسیر)

نیز اگر بالفرض والمحال فقہ اکبر میں ہو بھی تو اس سے یہ معنی ہرگز نہیں ہوں گے کہ آپ کے والدین (معاذ اللہ) کافر ہیں کیونکہ ماتا کافرین نہیں ہے بلکہ معنی یہ ہو گا کہ ان کی وفات زمانۂ کفر میں قبل از اسلام ہوئی جیسا کہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَعَلَى التَّسْلِيْمِ اَنَّ الْاِمَامَ قَالَ ذَالِكَ فَمَعْنَاهُ اَنَّهُمَا مَاتَا عَلٰى زَمَنِ الْكُفْرِ فَهٰذَا لَا يَقْتَضِيْ

اور اگر بالفرض اس کو امام صاحب کا قول تسلیم کر لیا جائے تو معنی یہ ہو گا کہ آپ کے والدین نے زمانۂ

کفر میں قبل از اسلام وفات پائی یہ اس بات کو مقتضی نہیں ہے کہ وہ کفر سے متصف تھے۔	اِتَّصَافُهُمَا بِہٖ

اعتراض (۹) والدین کو زندہ کرکے ایمان سے مشرف کرنا عقل ونقل کے خلاف ہے نقلاً تو اس لئے کہ یہ حدیث ضعیف ہے عقلاً اس واسطے کہ نزع سے پہلے کا ایمان معتبر ہوتا ہے لیکن وقت موت یا بعد از موت کا ایمان قابل قبول نہیں ہوتا بلکہ عذاب الٰہی دیکھ کر زندگی میں بھی معتبر نہیں ہوتا دیکھو فرعون ڈوبتے وقت ایمان لایا تو فرمایا گیا کہ آلْآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ مِنْ قَبْلُ یعنی پہلے نافرمانی کرکے اب ایمان لاتا ہے۔ لہٰذا ان دونوں کا وفات کے بعد والا ایمان کیسے معتبر ہوگا؟

جواب: حضرت یونس علیہ السلام کی قوم عذاب دیکھ کر ایمان لائی جو کہ قبول ہوگیا جیسا کہ خود قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ موجود ہے

پس ایسی کوئی بستی نہیں ہوئی کہ وہاں کے لوگ (عذاب دیکھنے کے بعد) ایمان لائے ہوں اور ان کے ایمان نے ان کو نفع دیا ہو سوائے قوم یونس کے۔	فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمُ يُونُسَ (علیہ السلام) (پ ، ش ، آیت ۹۸)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرت یونس علیہ السلام کی یہ خصوصیت تھی کہ ان کی قوم کا ایمان حالت یاس میں (عذاب دیکھنے کے بعد) قبول کرلیا گیا اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کے والدین کریمین کا بعد از وفات ایمان قبول کرلیا گیا۔ خصوصیات قوانین کو خاص کردیتی ہیں، دیکھو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ڈوبا ہوا سورج واپس کردیا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی گئی ہوئی نماز عصر

پڑھادی اور ایک آدمی کے روزہ توڑنے پر اس کو کفارہ کے تمام شرائط سے مستثنیٰ فرماکر کھجور کے صرف ایک ٹوکرے سے کفارہ ادا کردیا نیز حضرت خذیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو دو آدمیوں کے برابر گواہ قرار دے دیا اور یونہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے حضرت سیدہ فاطمہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کی زندگی میں دوسرا نکاح حرام قرار دیا اسی طرح یہاں بھی آپ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کے والدین کریمین کا ایمان بعد از وفات قبول کرلیا گیا۔ خیال رہے کہ آج تک قوی دلیل تو کیا کسی ضعیف دلیل سے بھی آپ کے والدین کی بت پرستی یا عقیدۂ کفر و شرک ثابت نہیں ہوا بلکہ ان کے ایمان کے ثبوت میں بے شمار دلائل ہیں لہذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنے والدین کو زندہ فرماکر ایمان سے مشرف فرمانا صرف اپنی امت میں داخل کرنے کے لئے تھا پھر ان دونوں کا زندہ کرنا حضور کا معجزہ ہے اور معجزہ تو ہوتا ہی خلاف عقل ہے۔ لہذا عقل کی رسائی وہاں کیسے ہوسکتی ہے بلکہ عقل قربان کن بہ پیش مصطفےٰ۔

نیز یہ حدیث بالکل صحیح ہے جیسا کہ علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے فتاوےٰ شامی جلد سوم باب المرتدین میں فرمایا ہے کہ علامہ امام قرطبی اور علامہ شمس الدین محمد بن ناصر الدین دمشقی رحمۃ اللہ علیہما نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے

نیز علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وحدیث احیائے والدین اگرچہ درحد ذات خود ضعیف است لیکن تصحیح و تحسین کردہ اند آنرا بتعدد طرق وایں علمیست کہ گویا مستور بود از متقدمین پس کشف کرد۔

آپ کے والدین کریمین کے زندہ کرنے کی حدیث اگرچہ فی حد ذاتہ ضعیف ہے لیکن علماء نے متعدد طریقوں سے اس حدیث کی تصحیح و تحسین کردی گویا یہ علم علماء متقدمین سے

آنزا حق تعالےٰ برمتاخرین
وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ
مَنْ یَّشَآءُ بِمَا شَآءَ
مِنْ فَضْلِہٖ (اشعۃ اللمعات
شرح مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور جلد ۱)

علامہ قرطبی فرماتے ہیں۔

وَقَالَ الْقُرْطُبِیُّ فِی التَّذْکِرَۃِ
اَنَّ فَضَائِلَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَخَصَائِصَہٗ
لَمْ تَزَلْ تَتَوَالٰی وَتَتَابَعُ اِلٰی
حِیْنِ مَمَاتِہٖ فَیَکُوْنُ ھٰذَا
مِمَّا فَضَّلَہُ اللّٰہُ بِہٖ وَاَکْرَمَہٗ
قَالَ وَلَیْسَ اِحْیَاءُ ھُمَا وَ
اِیْمَانُھُمَا یَمْتَنِعُ عَقْلًا وَ
شَرْعًا فَقَدْ وَرَدَ فِی
الْکِتَابِ الْعَزِیْزِ اِحْیَاءُ
قَتِیْلِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ وَ
اِخْبَارُہٗ بِقَاتِلِہٖ وَکَانَ
عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ یُحْیِی
الْمَوْتٰی وَکَذٰلِکَ نَبِیُّنَا صَلَّی
اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَحْیَی
اللّٰہُ عَلٰی یَدِہٖ جَمَاعَۃً
مِنَ الْمَوْتٰی قَالَ وَاِذَا ثَبَتَ

پوشیدہ رہا پھر اللہ تعالےٰ نے علماءِ
متاخرین پر یہ علم منکشف فرمایا اور
اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم کے
سبب جسے جتنا چاہتا ہے اپنی رحمت
کے ساتھ مخصوص فرما لیتا ہے۔

علامہ قرطبی نے کتاب التذکرہ بامور
الآخرہ میں فرمایا کہ بلاشبہ حضور علیہ
الصلوٰۃ والسلام کے فضائل وخصائص
متواترہ اور پے در پے آپ کی وفات
تک بڑھتے اور زیادہ ہوتے رہے
اور آپ کے والدین کا زندہ ہو کر ایمان
لانا یہ اس فضل وکرم میں سے ہے
جو اللہ تعالےٰ نے آپ پر کیا ہے
اور آپ کے والدین کا زندہ ہو کر
ایمان لانا نہ تو عقلاً ممتنع ہے اور نہ
ہی شرعاً ممتنع ہے کیونکہ قرآن عزیز
میں موجود ہے کہ بنی اسرائیل کا مقتول
زندہ کیا گیا جس نے زندہ ہو کر اپنے
قاتل کی خبر دی تھی اور حضرت عیسیٰ
علیہ السلام مردے زندہ کرتے تھے
اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے
نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ

هَذَا فَمَا يَمْتَنِعُ اِيْمَانُهُمَا بَعْدَ اِحْيَاءِ هِمَا وَيَكُوْنُ ذٰلِكَ زِيَادَةً فِيْ كَرَامَتِهٖ وَفَضْلِهٖ۔

پر بہت سے مردے زندہ فرمائے جب یہ ثابت ہے تو آپ کے والدین کا زندہ ہونے کے بعد ایمان لانا ممتنع نہ رہا بلکہ یہ امر آپ کی فضیلت و کرامت میں زیادتی کا باعث ہو گا۔

حضرت آدمؑ سے حضورؐ کے والدین تک ایمان کی بحث

ہم یہاں اس بحث کو تین ادوار میں تقسیم کریں گے۔

پہلا دور :۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام تک

دوسرا دور :۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تک۔

تیسرا دور :۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین تک۔

پہلا دور حضرت آدمؑ سے حضرت نوحؑ تک۔

خیال میں رہے کہ جمہور محققین کے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت کے زمانہ تک لوگ ایک ہی دین پر قائم تھے اور وہ ہے دین حق اور توحید الٰہی کا دین جس پر تمام لوگ قائم تھے اور اس وقت کوئی مشرک نہ تھا اور نہ ہی وہ لوگ شرک سے آگاہ تھے اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام کی پیدائش کے زمانہ کے قریب جب وقت لوگوں میں سے کچھ لوگوں نے بداعتقادی کو اپنانا شروع کیا اور بتوں کی پوجا کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا کہ توحید پر قائم رہنے والوں کو بشارت سناؤ اور کفر و شرک اختیار کرنے والوں کو ڈراؤ۔

جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ	(ابتداء میں) سب لوگ ایک ہی دین پر قائم تھے (پھر جب ان میں اختلاف پیدا ہوا، تو) اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام بھیجے خوشخبری

الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ

(پ ۲، س ۲، آیت ۲۱۳)

سنانے والے اور ڈرانے والے اور ان کے ساتھ سچی کتاب نازل فرمائی تاکہ وہ لوگوں میں ان کے اختلافوں کا فیصلہ کردے۔

خیال میں رہے کہ اس آیت کریمہ کے تحت مفسرین کرام نے چند اقوال ذکر کئے ہیں لیکن ہم یہاں فی الحال وہ اقوال ذکر کریں گے جو ہمارے دعوے کے ثبوت میں ہیں کیونکہ امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں دیگر اقوال ذکر کرکے ان کی خوب تردید کردی ہے، لہٰذا ہم آخر میں تفسیر کبیر کی وہ تمام بحث ذکر کریں گے جس میں دیگر اقوال کا تذکرہ تردید سمیت خود بخود آجائیگا۔

تفسیر ضیاء القرآن میں حضرت العلام ضیاء الملت والدین پیر سید محمد کرم شاہ الازہری دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں کہ۔

دین کی تاریخ لکھنے والے اس کے آغاز اس کی نشوونما اور اس کے عروج کی داستان قلمبند کرنے والے اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لئے مدتوں سرگرداں رہے کہ دین کی ابتداء کیونکر ہوئی اور انکی طویل تحقیق کا نتیجہ یہ تھا کہ انسان ابتداء میں مشرک تھا اور عقیدہ توحید تک اس کی رسائی آہستہ آہستہ سینکڑوں صدیاں ٹھوکریں کھانے کے بعد ہوئی، قرآن بتاتا ہے کہ یوں نہیں بلکہ انسان اول (آدم علیہ السلام) موحد تھا شرک سے اس کا کوئی سروکار نہ تھا اور عرصہ دراز تک اس کی اولاد عقیدہ توحید پر ثابت قدم رہی قرآن نے اس سوال کا جواب جو صدیوں پہلے دیا تھا اور جس کو تسلیم کرنے کے لئے یورپ کے محقق کل تک تیار نہ تھے آج مجبوراً تسلیم کر رہے ہیں چنانچہ آثار قدیمہ کے ماہرین انسانیات و اجتماعیات علماء، سر چارلس مارسٹن، پروفیسر لنگڈن اور پروفیسر شمڈٹ کا یہی فیصلہ ہے کہ انسان کا دین اولیں دین توحید تھا۔

(تفسیر ضیاء القرآن بحوالہ تفسیر ماجدی)

تفسیر خازن قدوۃ العلماء ناصر الشریعۃ والدین علامہ صوفی علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی تفسیر خازن میں اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں کہ

کَانَ النَّاسُ عَلٰی شَرِیْعَۃٍ وَّاحِدَۃٍ مِّنَ الْحَقِّ وَالْھُدٰی مِنْ وَّقْتِ اٰدَمَ اِلٰی مَبْعَثِ نُوْحٍ فَبَعَثَ اللّٰہُ نُوْحًا وَّھُوَ اَوَّلُ رَسُوْلٍ بُعِثَ (تفسیر خازن جلد اول صفحہ)

پہلے تمام لوگ حضرت آدم سے لے کر حضرت نوح تک رشد و ہدایت اور حق و انصاف کی ایک شریعت پر قائم تھے، پھر جب ان میں اختلاف پیدا ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا اور وہ پہلے رسول ہیں جنہیں مبعوث فرمایا گیا۔

تفسیر مدارک التنزیل جلیل القدر امام حضرت العلام ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود (صاحب کنز الدقائق والمنار متن نور الانوار) اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً مُتَّفِقِیْنَ عَلٰی دِیْنِ الْاِسْلَامِ مِنْ اٰدَمَ اِلٰی نُوْحٍ عَلَیْہِمَا السَّلَامُ

پہلے تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام تک ایک ہی دین (دین اسلام) پر متفق تھے۔

(تفسیر مدارک التنزیل علی الخازن صفحہ)

تفسیر ابن کثیر علامہ حافظ اسمٰعیل عماد الدین ابن کثیر اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان دس زمانے گذرے ہیں، ان زمانوں کے لوگ دین حق اور شریعت الٰہیہ کے پابند تھے پھر جب اختلاف پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا بلکہ آپ کی قراءت بھی یوں ہے، کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَاخْتَلَفُوْا فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ (یعنی تمام لوگ ایک ہی دین پر قا

تھے پھر جب اختلاف پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأت بھی یہی ہے، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی تفسیر اس طرح کی ہے جب ان میں اختلاف پیدا ہو گیا تو اللہ تعالےٰ نے اپنا پہلا پیغمبر بھیجا یعنی حضرت نوح علیہ السلام، حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی کہتے ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر جلد اول پارہ دوم صفحہ)

تفسیر صاوی حاشیہ علی الجلالین، فنا فی رسول اللہ عارف باللہ

حضرت شیخ الاصفیاء علامہ احمد ابن محمد صاوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کے تحت تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

أَيْ فِيْ مَبْدَءِ الدُّنْيَا مِنْ آدَمَ إِلَى إِدْرِيْسَ وَقِيْلَ مِنْ آدَمَ إِلَى نُوْحٍ وَالْمَعْنَى أَنَّهُمْ كَانُوْا عَلَى الْحَقِّ وَلَمْ يَخْتَلِفْ بَيْنَهُمْ فِيْ تِلْكَ الْمُدَّةِ

یعنی دنیا کی ابتداء میں، حضرت آدم سے حضرت ادریس تک اور کہا گیا ہے کہ حضرت آدم سے حضرت نوح تک کے تمام لوگ دین حق پر قائم تھے اور اس عرصہ میں کوئی اختلاف نہ تھا۔

خیال میں رہے کہ شیخ زادہ حاشیہ تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے کہ

لِأَنَّ إِدْرِيْسَ بَعْدَ نُوْحٍ عَلَى الصَّحِيْحِ

صحیح قول کے مطابق جناب حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ہوئے ہیں۔

تفسیر مظہری

حامل شریعت و طریقت حضرت العلام قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی حنفی مظہری اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

علامہ بزار نے اپنی مسند میں اور علامہ ابن جریر اور علامہ ابن ابی حاتم اور علامہ ابن منذر نے اپنی تفسیر میں اور علامہ حاکم نے اپنی کتاب المستدرک میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مبارکہ نقل فرمائی ہے اور اس

حدیث مبارکہ کو صحیح قرار دیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ

كَانَ بَيْنَ اٰدَمَ وَنُوْحٍ عَشَرَةُ قُرُوْنٍ كُلُّهُمْ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْحَقِّ فَاخْتَلَفُوْا	حضرت آدم اور حضرت نوح کے درمیان دس زمانے گزرے ہیں جن میں تمام لوگ شریعت حق پر قائم تھے پھر ان میں اختلاف پیدا ہوا۔

نیز علامہ مظہری فرماتے ہیں کہ اسی طرح علامہ ابن حاتم نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ

اِنَّهُمْ كَانُوْا عَشَرَةَ قُرُوْنٍ كُلُّهُمْ عُلَمَاءُ يَقْتَدُوْنَ مِنَ الْحَقِّ ثُمَّ اخْتَلَفُوْا فَبَعَثَ اللّٰهُ نُوْحًا وَكَانَ نُوْحٌ اَوَّلَ رَسُوْلٍ اَرْسَلَهُ اللّٰهُ اِلَى الْاَرْضِ	بے شک وہ تمام لوگ دس زمانوں میں گزرے ہیں جو اہل علم حضرات تھے وہ زندگی کے مسائل میں دین حق سے راہنمائی حاصل کرتے تھے پھر ان میں اختلاف پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کو بھیجا اور حضرت نوح پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف بھیجا۔

تفسیر انوار التنزیل عرف بیضاوی

حضرت العلام سلطان المحققین قاضی ناصر الدین بیضاوی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

مُتَّفِقِيْنَ عَلَى الْحَقِّ فِيْمَا بَيْنَ اٰدَمَ وَاِدْرِيْسَ اَوْ نُوْحٍ	تمام لوگ حضرت آدم سے حضرت ادریس یا حضرت نوح تک دین حق پر متفق ہے۔

حاشیہ علامہ عبدالحکیم علی البیضاوی

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ روضۃ الاحباب میں مذکور ہے کہ تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں تمام لوگ موحد اور اپنے دین کے ساتھ نہایت مضبوطی سے وابستہ تھے اور ان سے

فرشتے مصافحہ کرتے البتہ قابیل اور اس کے پیروکار حضرت ادریس علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے زمانہ تک اسلام سے روگرداں ہے پھر ان میں اختلاف پیدا ہوگیا اور چونکہ قابیل وغیرہ بہت کم لوگ تھے جو دین حق سے روگرداں تھے لہذا اَلْقَلِیْلُ کَالْمَعْدُوْمِ (کہ تھوڑے نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں) کے مطابق ان کو نہ ہونے کے برابر قرار دے کر قرآن کریم میں تمام لوگوں کو ایک ہی دین پر قرار دے دیا گیا ہے پھر علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی چند سطور بعد فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام تک تمام لوگ دین حق پر تھے جیسا کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان دس زمانے گزرے ہیں جن میں لوگ شریعت حق پر قائم رہے پھر بعد ازاں ان میں اختلاف پیدا ہوگیا جیسا کہ تفسیر کشاف میں ہے۔

شیخ زادہ علی البیضاوی

حضرت العلام الامام محی الدین محمد بن مصطفےٰ القوجوی اس آیت شریفہ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے گذشتہ آیت کریمہ میں بیان کیا کہ کفار کی طرف سے کفر پر اصرار کرنے کا اصل سبب دنیا کی محبت اور جاہ و جلال کی ہوس صرف اس زمانہ سے مخصوص نہیں بلکہ اس سے پہلے گذشتہ زمانوں میں بھی یہی بیماریاں موجود تھیں کیونکہ پہلے تمام لوگ دین حق پر متفق و مجتمع تھے پھر ان میں اختلاف پیدا ہوگیا اور اس کی اصل وجہ بھی یہی تھی کہ دنیا کی محبت اور مال و دولت کی ہوس اور جاہ و منصب کی حرص نے ان میں باہم حسد و کینہ اور بغض و عناد اور سرکشی و بے دینی پیدا کر دی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو ان لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا بہر حال یہ آیت کریمہ اس بات پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہے کہ پہلے

تمام لوگ ایک ہی دین پر متفق تھے لیکن اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ وہ لوگ دین حق پر تھے یا باطل پر تھے (بلکہ پوری آیت پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ پہلے تمام لوگ حق پر تھے جیسا کہ علامہ موصوف بیان کرتے ہیں) مگر البتہ محققین مفسرین کی اکثریت نے اس بات کو اختیار فرمایا ہے کہ پہلے تمام لوگ ایمان اور اتباع حق میں متفق تھے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ | پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا۔

کیونکہ یہ فرمان الٰہی تقاضا کرتا ہے کہ انبیائے کرام کو اختلاف کے بعد بھیجا گیا ہے، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت بھی اس بات کی تائید کرتی ہے کہ اختلاف کے بعد پیغمبروں کو بھیجا گیا، اور اختلاف کے بعد پیغمبروں کو بھیجا جانا تقاضا کرتا ہے کہ پہلے تمام لوگ حق پر تھے کیوں کہ اختلاف سے پہلے تمام لوگ کفر و باطل پر ہوتے تو اللہ تعالیٰ کا اختلاف سے پہلے ہی انبیاء کرام کو بھیج دینا بطریق اولیٰ ضروری تھا تاکہ تمام لوگوں کو کفر و شرک سے بچا لیا جاتا۔

کیونکہ اختلاف کے بعد جبکہ اکثر لوگ ایمان اور حق پر قائم ہوں اور کچھ لوگوں نے حق اور انصاف کو چھوڑ کر کفر و شرک اختیار کر لیا ہو اس وقت انبیاء کرام کو بھیجنے سے کئی درجے بہتر ہے کہ جب تمام لوگ کفر و شرک پر ہوں اس وقت انبیاء کرام کو بھیجا جائے حالانکہ اس آیت سے واضح ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انبیاء کرام کو اختلاف کے بعد بھیجا جس سے معلوم ہوا کہ پہلے تمام لوگ حق پر تھے جب دنیا کی محبت اور مال و دولت کی حرص میں ڈوب گئے تو لوگوں نے دین حق کا ساتھ چھوڑ دیا اور لگے شرک کرنے تو اللہ تعالیٰ نے اس اختلاف کو مٹانے اور تمام لوگوں کو دین حق کے ایک پلیٹ فارم پر متفق کرنے کے لئے انبیاء کرام کو بھیجنا شروع کیا پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی اپنی اولاد کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا اور آپ کی وہ تمام

اولاد مسلمان اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار تھی (جو آپ کی وفات تک چالیس ہزار تک پہنچ چکی تھی) سوائے ایک قابیل کے جس نے حسد و بغض اور سرکشی کی بنا پر ہابیل کو قتل کر دیا تھا اور یہ بات نقل متواتر سے ثابت ہے اور اس پر خود قرآن کریم کی ایک آیت ناطق ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ ۘ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ ۖ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ

(پ ۶، س ۵، آیت ۲۷)

اور انہیں پڑھ کر سناؤ آدم کے دو بیٹوں کی سچی خبر جب دونوں نے ایک ایک قربانی پیش کی تو ایک سے قبول کر لی گئی، اور دوسرے سے قبول نہ کی گئی (اس دوسرے نے) کہا قسم ہے مجھے میں قتل کر دوں گا (تو پہلے نے کہا (تو بلاوجہ ناراض ہوتا ہے) بے شک اللہ تعالیٰ صرف پرہیزگاروں سے قبول فرماتا ہے۔

چنانچہ قابیل نے اپنی قربانی قبول نہ ہونے کی بنا پر اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر ڈالا تھا اور یہ قتل و غارت اور سرکشی صرف بغض و حسد کے سبب تھی اور جب پہلے لوگوں کا دین حق پر متفق ہونا دلیل قطعی سے ثابت ہو گیا ہے اور ان لوگوں کا کفر و باطل پر ہونا دلائل سے ثابت نہیں تو آیت کریمہ کو اس مفہوم اور معنی پر محمول کیا جائے گا جو دلیل سے ثابت ہو چکا ہے نہ کہ اس معنی پر جو دلیل سے ثابت نہیں بلکہ حضرت قتادہ اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہما کی روایات میں موجود ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ

کان من وقت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام الی مبعث نوح علیہ السلام وکان بینہما عشرۃ قرون کلہم علی شریعۃ واحدۃ من الحق والہدی

حضرت آدمؑ کے وقت سے لیکر حضرت نوحؑ کی بعثت تک کے درمیان دس صدیاں گزری ہیں جن میں تمام لوگ ہدایت حق کی ایک ہی شریعت پر قائم رہے۔

پھر جب حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں اختلاف پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا یہ پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا۔

علامہ قرطبی نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابو خیثمہ سے مروی ہے کہ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے آقا سیدنا و مولٰنا حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی بعثت مبارکہ تک پانچ ہزار آٹھ سو سال کا عرصہ گزرا ہے، بعض نے کہا ہے کہ اس سے بھی زیادہ عرصہ گذرا ہے جب کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے اور حضرت آدم علیہ السلام نوسو سال ظاہری حیات مبارکہ کے ساتھ زندہ رہے اور اس وقت تمام لوگ دین حق پر مضبوطی کے ساتھ قائم تھے۔

(شیخ زادہ علی البیضاوی الجزء الاول ص۵۱۸)

تفسیر ابو سعود علامہ ابو سعود اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں۔

وَكَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً، متفقین علی کلمۃ الحق ودین الاسلام — تمام لوگ ایک ہی دین پر تھے۔ یعنی تمام لوگ کلمہ حق اور دین اسلام پر قائم تھے

مفاتیح الغیب عرف تفسیر کبیر امام محمد فخر الدین رازی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے گذشتہ آیت مبارکہ میں بیان فرمایا ہے کہ کافروں کا اپنے کفر پر اصرار کرنے کا سبب دنیا کی اندھی محبت ہے تو اس آیت مبارکہ میں اللہ کریم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ بیماری موجودہ لوگوں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ گذشتہ قوموں میں بھی یہ بیماری موجود تھی۔

إِنَّ النَّاسَ كَانُوا أُمَّةً وَاحِدَةً قَائِمَةً عَلَى الْحَقِّ ثُمَّ اخْتَلَفُوا — کیونکہ پہلے تمام لوگ ایک جماعت دین حق پر قائم تھے پھر ان میں اختلاف پیدا ہو گیا۔

اور ان کے اختلاف کا اصل سبب سرکشی اور آپس میں ایک دوسرے سے حسد کرنا، بغض و کینہ رکھنا اور طلب دنیا میں ایک دوسرے سے جھگڑنا تھا۔
امام رازی فرماتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ کے تحت مفسرین کرام نے تین مختلف اقوال بیان کیے ہیں مگر امام رازی نے پانچ قول ذکر کیے ہیں۔

پہلا قول

اِنَّهُمْ كَانُوْا عَلٰى دِيْنٍ وَّاحِدٍ وَهُوَ الْاِيْمَانُ وَالْحَقُّ وَهٰذَا قَوْلُ اَكْثَرِ الْمُحَقِّقِيْنَ وَيَدُلُّ عَلَيْهِ وُجُوْهٌ	بلاشبہ پہلے تمام لوگ ایک ہی دین پر قائم تھے اور وہ ایمان اور دین حق ہے جس پر لوگ قائم تھے اور یہی اکثر محققین علمائے دین کا فرمان ہے اور اس پر کئی دلیلیں راہنمائی کرتی ہیں

علامہ قفال نے کہا کہ اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ (الآیہ)	پس اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے۔

یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ انبیاء کرام کو تب بھیجا گیا جب لوگوں میں دین کے بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا اور اختلاف کا برپا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ پہلے تمام لوگ ایک ہی دین پر تھے پھر ان میں اختلاف پیدا ہو گیا اور ہمارے اس دعوے کی تائید حضرت عبداللہ بن مسعود سے منقول قرأت کرتی ہے کیونکہ آپ نے اس آیت کو یوں پڑھا۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ	تمام لوگ ایک ہی دین پر تھے پھر جب ان میں اختلاف برپا ہوا تو اللہ تعالےٰ نے پیغمبروں کو بھیجا۔

جب تم نے یہ بات جان لی تو اب ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ (الآیہ)، میں فَا ہے جو صاحبانِ اصولِ فقہ کے

نزدیک تعقیب مع الوصل کے لئے استعمال ہوتا ہے) تقاضا کرتا ہے کہ انبیاء کرام کو اختلاف کے بعد بھیجا گیا ہے لہذا اگر اختلاف سے پہلے ہی تمام لوگ کافر ہوتے تو اس اختلاف سے پہلے انبیاء کرام کو بھیجنا زیادہ ضروری اور بہتر تھا کیونکہ جب انہیں اختلاف کے بعد اس وقت بھیجا گیا جب کہ کچھ لوگ اپنے ایمان پر قائم تھے اور کچھ لوگوں نے کفر اختیار کر لیا تھا تو اختلاف سے پہلے جب تمام لوگ کافر ہوتے اس وقت انبیائے کرام کو بھیجنا بطریق اولیٰ بہتر اور زیادہ ضروری تھا۔

یہ پہلی وجہ ہے جسے علامہ قفال رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں بڑے خوبصورت طریقے سے پیش کیا ہے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت کریمہ کی ذاتی دلالت اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت کے مطابق انبیاء کرام کو اختلاف کے بعد بھیجا گیا اور اس آیت کے وسط میں اختلاف کا سبب بغاوت وسرکشی کو قرار دیا گیا ہے اور بغاوت وسرکشی کی وجہ سے باطل دین جنم لیتے ہیں لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ تمام لوگ پہلے دین حق پر قائم تھے نہ کہ باطل پر۔ پھر کچھ لوگوں نے مال و دولت کے نشے میں بغاوت وسرکشی شروع کر دی جس کی وجہ سے دین حق سے منحرف ہو کر کفر و شرک کا باطل مذہب اختیار کر لیا اور اس ناقابل معافی جرم کی وجہ سے خطرناک اختلاف برپا ہو گیا جس کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو بھیجنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی اپنی اولاد کی طرف مبعوث فرمایا تو اس وقت تمام لوگ مسلمان اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے اور اس وقت ان میں دین کے متعلق کسی قسم کا کوئی اختلاف نہ تھا یہاں تک کہ قابیل نے جناب ہابیل کو بغض و

حسد اور بغاوت و سرکشی کے نشے میں قتل کر ڈالا اور یہ بات نقل متواتر اور قرآن حکیم سے ثابت ہے (جیسے ہم شیخ زادہ کی تقریر میں بیان کر چکے ہیں) اس دلیل سے ثابت ہوا کہ تمام لوگ پہلے دین حق پر تھے پھر ان میں حسد و بغض کی بنا پر اختلاف ہوا اور قتل و غارت ہوئی اور اس طرح قابیل اور اس کے چند پیروکاروں کے ایک گروہ نے کفر اختیار کر لیا، مگر یہ کسی دلیل سے ثابت نہیں کہ پہلے تمام لوگ کفر پر تھے پھر ان میں اختلاف پیدا ہوا ہو اور نہ ہی کسی دلیل قطعی سے ثابت ہے کہ ایمان اور دین حق کے بعد تمام لوگوں نے منحرف ہو کر کفر اختیار کر لیا ہو۔

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ طوفان نوح میں تمام کافر غرق ہو گئے تھے صرف وہی لوگ بچے تھے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے اور وہ تمام کے تمام مسلمان تھے اور دین حق پر قائم تھے پھر کافی عرصہ بعد ان میں اختلاف ہوا تو کچھ لوگوں نے کفر اختیار کر لیا اور یہ واقعہ نقل متواتر اور دلائل یقینی سے ثابت ہے جس سے ثابت ہوا کہ ہمیشہ پہلے لوگ حق پر ہوتے ہیں، پھر اس کے بعد اختلاف کر کے کچھ لوگ کافر ہو جاتے ہیں اور یہ بات دلائل سے قطعاً ثابت نہیں کہ وہ تمام لوگ باطل اور کفر پر متفق رہے ہوں لہٰذا جب بات یوں ہی ہے تو اس آیت مبارکہ کو بھی اسی مطلب پر محمول کیا جائے گا جو دلیل سے ثابت ہے (اور وہ یہ ہے کہ پہلے تمام لوگ دین حق پر تھے پھر اختلاف ہوا) اور اس مطلب پر ہرگز محمول نہیں کیا جائے گا جو دلیل سے ثابت نہیں (خیال میں رہے کہ اس سے پہلے قول کی تائید میں امام رازی نے سات وجوہ بیان کی ہیں ہم نے ان میں سے چار وجوہ بیان کی ہیں طوالت کے اندیشے سے باقی ترک کر دی ہیں۔)

دوسرا قول: یہ ہے کہ تمام لوگ پہلے دین باطل پر تھے اور اس قول کو مفسرین کے ایک گروہ نے اختیار کیا ہے جیسے حضرت

حسن بصری، حضرت عطار اور ایک روایت کے مطابق حضرت ابن عباس، انکی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انکی طرف انبیاء کرام بھیجے جس سے معلوم ہوا کہ پہلے وہ حق پر نہ تھے۔ امام رازی فرماتے ہیں انکی اس دلیل کے جوابات وہ تمام دلائل ہیں جو پہلے بیان کئے جا چکے ہیں، ان کے علاوہ ایک جواب یہ ہے کہ انبیائے کرام کا اختلاف کے بعد بھیجا جانا خود ہمارے دعوےٰ کی دلیل ہے کہ پہلے تمام لوگ دین حق پر تھے پھر جب ان میں اختلاف ہوا تو انبیائے کرام کو بھیجا گیا اگر اختلاف سے پہلے سارے لوگ کفر پر ہوتے تو انبیائے کرام کو بھی اختلاف سے پہلے بھیج دیا جاتا حالانکہ انبیاء کرام کو اختلاف کے بعد بھیجا گیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ تمام لوگ کفر پہ ہرگز نہیں رہے کیونکہ ان ہی میں جناب ہابیل، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام اور دیگر مسلمان موجود تھے اگر اس کے جواب میں کہا جائے کہ چونکہ غالب اکثریت کافروں کی تھی اور مسلمان اقلیت میں تھے اس لئے سب پر حکم لگا دیا گیا کہ تمام لوگ کفر پہ تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ ایک تو یہ بات سابقہ دلائل کی روشنی میں غلط ہے۔ دوسرا یہ کہ ہمارا اصل مدعا پھر بھی ثابت ہو جائے گا اور وہ یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام آباؤ اجداد حضرت آدم علیہ السلام سے والدین کریمین تک موحد و مسلمان تھے کیونکہ حضور کا ارشاد ہے کہ میں ہمیشہ ہر زمانے کے بہترین لوگوں میں منتقل ہوتا آیا ہوں اور ہر زمانے میں بہتر لوگ مسلمان ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ مسلمان ہی کافروں سے بہتر ہیں لہٰذا ہر زمانے میں جو لوگ دین حق پر تھے انھی میں حضور کے آباؤ اجداد بھی تھے، پس ثابت ہوا کہ حضور سرور کائنات فخر موجودات، باعث تخلیق مخلوقات صلے اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد موحد و مسلمان تھے اور وہ ہمیشہ دین حق پر قائم رہے۔

تیسرا قول : یہ ہے کہ پہلے تمام لوگ شرائع عقلیہ پر قائم تھے اور وہ یہ ہے کہ صانع اور اس کی صفات کا اعتراف کرنا اور اسکی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنا اور عقل کے تقاضے کے مطابق اسکی خدمت میں لگے رہنا اور جو چیزیں عقل کے نزدیک بری ہیں انہیں چھوڑ دینا جیسے ظلم، جھوٹ زنا، جہالت، کھیل تماشہ اور دیگر بے فائدہ لغو کام، اس قول کو ابو مسلم اور قاضی نے اختیار کیا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ یہ قول اس وقت ثابت اور درست ہو سکتا ہے جب یہ مان لیا جائے کہ عقل خود نیک و بد، قبیح حسین اور حق و باطل کی تمیز کر سکتی ہو، حالانکہ اگر عقل کافی ہوتی تو انبیاء کرام کو نہ بھیجا جاتا اور نہ ہی شریعت دینے اور کتابیں نازل کرنے کی ضرورت ہوتی بلکہ عقل کے ذریعے کفر و شرک کو ترک کرنا اور توحید و ایمان کو اختیار کرنا لازمی اور ضروری ہو جاتا حالانکہ ایسا نہیں لہٰذا یہ قول بھی باطل ہو گیا۔

چوتھا قول : یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ پہلے تمام لوگ صرف ایک ہی دین پر قائم تھے لیکن اس میں یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ وہ ایمان پر تھے یا کفر پر تھے لہٰذا اسمیں توقف ضروری ہے جب تک دلیل سے کوئی ایک معنیٰ متعین نہیں ہو جاتا۔ امام رازی نے اتنا ہی بیان کر کے پانچواں قول شروع کر دیا ہے لیکن ہم یہاں پانچواں قول ذکر کرنے سے پہلے یہ وضاحت کر دیتے ہیں کہ ہم اس آیت کریمہ کے تحت مختلف تفاسیر کے حوالہ جات سے دلائل کے ساتھ ثابت کر آئے ہیں کہ تمام لوگ پہلے ایمان اور حق پر تھے الا قلیل پھر بعد میں اختلاف ہوا تو پیغمبر بھیجے گئے۔ لہٰذا جب دلائل سے جانب ایمان کا معنیٰ متعین ہو گیا تو توقف کرنا باطل ہو گیا، خصوصاً تفسیر ابن کثیر اور تفسیر مظہری میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایات

اور شیخ زادہ میں حضرت قتادہ و حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کی روایات کے بعد کسی قسم کا شک وشبہ نہیں رہتا اور روز روشن کی طرح ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام تک پوری دس صدیوں میں لوگ برابر ایمان اور حق پر رہے۔ والا قلیل کا قابیل ومن شی ذمۃ حقیقیں:

پانچواں قول، یہ ہے کہ یہاں اس آیت کریمہ کان الناس میں لفظ الناس سے مراد صرف اہل کتاب مراد ہوں اور مطلب یہ ہو کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے اہل کتاب پہلے ایک ہی دین اور ایک ہی مذہب پر قائم رہے مگر حضرت موسےٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد آپس میں حسد وکینہ اور بغاوت وسرکشی کی وجہ سے انمیں اختلاف پیدا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو بھیجا۔

(امام رازی فرماتے ہیں،) اگرچہ یہ قول آیت کے ماقبل اور مابعد کے اعتبار سے درست ہے اور یہاں لفظ الناس میں الف لام عہد خارجی کا بھی احتمال ہے لیکن اس میں یہ خرابی لازم آتی ہے کہ آیت کان الناس میں لفظ الناس کو صرف اہل کتاب سے مخصوص کیا جائے حالانکہ یہ ظاہر آیت کے خلاف ہے کیونکہ مقصد تو یہ بتلانا ہے کہ ہر زمانے میں تمام لوگ پہلے ایک دین پر ہوتے تھے پھر جب ان میں اختلاف ہوتا تو پیغمبروں کو بھیج دیا جاتا، نہ صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ اہل کتاب صرف ایک دین پر تھے اس لئے یہاں الف لام عہد خارجی بھی مراد نہیں لیا جا سکتا (جیسا کہ علامہ رازی نے بطور احتمال ذکر کیا ہے)

(تفسیر کبیر جلد ۲ صد ۲۰۱ تا ۲۰۳)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ الحاوی للفتاویٰ میں لکھتے ہیں،

(۱) علامہ بزار نے اپنی مسند میں اور علامہ ابن جریر، علامہ ابن منذر علامہ

ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی تفسیر میں اور علامہ امام حاکم نے اپنی کتاب "المتدرک" میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالی کے ارشاد کان الناس امۃ واحدۃ کی تفسیر روایت نقل کی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔

كَانَ بَيْنَ آدَمَ وَنُوحٍ عَشَرَةُ قُرُونٍ كُلُّهُمْ عَلَى شَرِيعَةٍ مِنَ الْحَقِّ فَاخْتَلَفُوا فَبَعَثَ اللهُ النَّبِيِّينَ قَالَ وَكَذَالِكَ هِيَ فِي قِرَاءَةِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا

حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان دس صدیوں کا عرصہ گزرا ہے جس میں تمام لوگ شریعت حق پر قائم تھے پھر ان میں اختلاف پیدا ہو گیا تو اللہ کریم نے انبیاء کرام کو بھیجا آپ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت میں اسی طرح ہے کہ تمام لوگ پہلے ایک دین پر تھے پھر ان میں اختلاف ہو گیا۔

(۲) حضرت ابو یعلے، علامہ طبرانی اور امام ابن حاتم نے صحیح سند کے ساتھ کان الناس امۃ واحدۃ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد بیان کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ

عَلَى الْإِسْلَامِ كُلُّهُمْ

کہ تمام لوگ اسلام پر تھے۔

(۳) علامہ ابن ابی حاتم نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ذکر کیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ

كَانَ بَيْنَ آدَمَ وَنُوحٍ عَشَرَةُ قُرُونٍ كُلُّهُمْ عَلَى الْهُدَى وَعَلَى شَرِيعَةٍ مِنَ الْحَقِّ ثُمَّ اخْتَلَفُوا بَعْدَ ذَالِكَ فَبَعَثَ اللهُ نُوحًا وَكَانَ أَوَّلُ

حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان دس صدیوں کا عرصہ گزرا ہے جس میں تمام لوگ راہ ہدایت اور شریعت حقہ پر قائم رہے پھر اس کے بعد ان میں اختلاف پیدا ہو گیا تو اللہ تعالی نے حضرت نوح

رَسُوْلٍ اَرْسَلَهُ اللّٰهُ اِلٰی اَهْلِ الْاَرْضِ	علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور آپ پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف بھیجا۔

(۴) علامہ ابن سعد نے حضرت سفیان بن سعید ثوری کی سند سے ایک روایت نقل کی ہے۔ وہ اپنے والد سے اور ان کے والد حضرت عکرمہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عکرمہ نے فرمایا۔

کَانَ بَیْنَ اٰدَمَ وَنُوْحٍ عَشَرَۃُ قُرُوْنٍ کُلُّهُمْ عَلَی الْاِسْلَامِ۔	حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان دس صدیاں ہوئی تھیں جن میں تمام لوگ اسلام پر قائم رہے۔

خیال میں رہے کہ امام فخر الدین رازی آیت

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ	مجھے اور میرے ماں باپ کو بخش دے۔

کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

قَالَ عَطَاءٌ لَمْ یَکُنْ بَیْنَ نُوْحٍ وَّ اٰدَمَ عَلَیْهِمَا السَّلَامُ مِنْ اٰبَائِهٖ کَافِرٌ وَکَانَ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ اٰدَمَ عَشَرَۃُ اٰبَاءٍ (تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۲۳)	حضرت عطاء نے فرمایا کہ حضرت نوح اور حضرت آدم علیہما السلام کے درمیان حضرت نوح علیہ السلام کے آباؤ اجداد میں سے کوئی شخص کافر نہیں ہوا اور اس کے اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان دس باپ دادے تھے۔

نیز یہ روایت تفسیر خازن جلد چہارم صفحہ ۳۳۱ میں موجود ہے۔
بہرحال نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام تک قابیل اور اس کی اولاد کے ماسوا حضرت آدم علیہ السلام کی تمام اولاد در اولاد حضرت نوح علیہ السلام تک اصول اسلام اور توحید الٰہی پر قائم تھی اور حضرت نوح علیہ السلام بنو قابیل کی اصلاح کے لئے

مبعوث ہوئے تھے۔

دوسرا دور

حضرت نوحؑ سے حضرت ابراہیمؑ تک۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے یوں دعا مانگی۔

(۱) رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا (پ، س)

اے میرے رب مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور اسے جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں ہیں اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کو اور کافروں کو نہ بڑھا مگر تباہی ہیں۔

واضح رہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے فرزند جناب سام، اجماع امت اور نص قرآنی کے مطابق مومن ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے والد گرامی حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں نجات پائی تھی جو مسلمان تھا۔

(الحاوی للفتاویٰ جلد دوم ص۲۱۳)

جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ

فَکَذَّبُوْهُ فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ فِی الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِیْنَ

(پ ۸، س ۷، آیت ۶۴)

پس جب انہوں نے حضرت نوح کو جھٹلایا تو ہم نے حضرت نوح کو اور انہیں جو آپ کے ساتھ کشتی میں سوار تھے نجات دی اور اپنی آیتیں جھٹلانے والوں کو ڈبو دیا۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہوا کہ نبوت و رسالت اور دیگر آیات الٰہیہ کے جھٹلانے والے تمام کافروں کو طوفان میں غرق کر دیا اور مذکورہ بالا آیات کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور تمام کافر تباہ ہو گئے

صرف حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والے مسلمان جو آپ کے ساتھ کشتی میں سوار تھے وہ بچ گئے تھے، چنانچہ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ کل اسی مسلمان تھے جو کشتی میں سوار ہوئے تھے جن میں حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے سام، حام، یافث اور انکی تین بیویاں تھیں۔

(تفسیر ابن کثیر جلد دوم پارہ بارھواں صفحہ ۱۵ سورۃ ھود آیت نمبر ۴، تفسیر مظہری جلد سوم صفحہ ۲۹۹، تفسیر مدارک التنزیل، تفسیر خازن جلد دوم صفحہ ۱۰۱)

نیز خیال میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِيْنَ۔	اور ہم نے اُن کی اولاد کو باقی رہنے والوں میں رکھا۔

چنانچہ طوفان کے بعد اب تک جتنے انسان ہیں سب حضرت نوح علیہ السلام کی نسل سے ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے کشتی سے اترنے کے بعد آپ کے ساتھیوں میں جتنے مرد و عورت تھے وہ سب فوت ہو گئے سوا آپ کی اولاد اور انکی عورتوں کے، انہیں سے دنیا میں نسلیں چلیں، چنانچہ عرب، فارس اور روم آپ کے فرزند جناب سام کی نسل سے ہیں اور سوڈان کے لوگ آپ کے بیٹے حام کی نسل سے ہیں اور ترک اور یاجوج ماجوج وغیرہ آپ کے صاحبزادے یافث کی اولاد سے ہیں۔

(تفسیر خزائن العرفان، تفسیر ابن کثیر جلد چہارم پارہ تیئسواں صفحہ ۲۵ عن قتادہ تفسیر خازن جلد چہارم صفحہ ۲ عن سمرہ بن جندب، مدارک التنزیل عن قتادہ تفسیر مظہری جلد ہشتم صفحہ ۱۲۰ عن سمرہ وعن ابن عباس رواہ الترمذی، تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ ۱۴۳ عن ابن عباس، تفسیر ابو السعود، بر تفسیر کبیر جلد ہفتم صفحہ ۵۴۳)

حضرت العلام الامام الفہام علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

(۲) بل ورد فی اثر انہ نبیا۔ بلکہ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ سام بن نوح نبی تھے، اس روایت کو علامہ ابن سعد نے طبقات، ابن سعد علامہ زبیر بن بکار نے الموفقیات میں علامہ ابن عساکر نے علامہ کلبی سے نقل کیا ہے۔

(۳) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تصریح ہے کہ جناب سام نوح کے بیٹے حضرت ارفخشذ ایمان دار اور مسلمان تھے۔ اس روایت کو علامہ ابن عبد الحکیم نے تاریخ مصر میں نقل کیا ہے اور اسی کتاب تاریخ مصر میں علامہ ابن عبد الحکیم نے یہ روایت بھی درج کی ہے کہ حضرت ارفخشذ نے اپنے دادا حضرت نوح علیہ السلام کی زیارت کی تھی اور جناب نوح علیہ السلام نے ان کے حق میں دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد میں بادشاہت اور نبوت کو جاری فرمائے۔

(۴) حضرت ارفخشذ کی اولاد سے لے کر حضرت تارخ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد ماجد تک حدیث شریف میں تصریح کی ہے کہ وہ سب ایمان دار تھے۔

(۵) علامہ ابن سعد نے الطبقات میں امام کلبی کی سند کے ساتھ حضرت ابو صالح کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابو صالح نے فرمایا کہ جناب عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جس وقت حضرت نوح علیہ السلام کشتی سے اترے تھے تو ایک گاؤں میں تشریف لے گئے تھے اور آپ کے ساتھ کشتی سے جتنے افراد اترے تھے سب نے اپنے لئے ایک ایک گھر تعمیر کیا اور اس آبادی کا نام سوق الثمانین (یعنی ۸۰ آدمیوں کا بازار) رکھا اور قابیل کی تمام اولاد طوفان میں غرق ہو گئی تھی اور حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک تمام آباؤ اجداد اسلام پر تھے

پھر جب سوق الثمانین کی بستی تنگ ہو گئی تو لوگوں نے بابل کی طرف رخ کیا اور وہاں مکانات بنائے اور آباد ہو گئے اور انکی تعداد مسلسل بڑھتی گئی یہاں تک کہ ایک لاکھ تک پہنچ گئی اور وہ سب کے سب اسلام پر تھے اور وہ تمام لوگ بابل میں رہائش تھے اور وہ ہمیشہ اسلام پر قائم رہے یہاں تک نمرود بن کوش بن کنعان بن حام بن نوح ان کا بادشاہ بن گیا اور اس نمرود نے لوگوں کو بت پرستی کی دعوت دی چنانچہ تمام لوگوں نے اپنے بادشاہ کے کہنے پر بت پرستی شروع کر دی (ماسوائے حضرت تارخ کے جو ایمان پر قائم رہے) واضح رہے کہ ان تمام احادیث مبارکہ سے یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ حضور نبی اکرم رسول اعظم صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نمرود کے زمانہ تک سب کے سب مومن اور مسلمان تھے اور نمرود کے زمانہ میں حضور کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام [illegible] لہذا اگر آذر بت تراش و بت پرست، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد ہوتا تو سلسلہ نسب میں اس کا استثنیٰ کیا جاتا اور اگر آذر آپ کا چچا تھا تو اس کے استثنیٰ کی ضرورت ہی نہیں رہتی اور اس قول سے میری مراد یہ ہے کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہ تھا بلکہ چچا تھا، جیسا کہ سلف صالحین یعنی بزرگان دین نے بیان کیا ہے۔

امام ابن شیبہ، امام ابن منذر اور امام ابن ابی حاتم نے متعدد سندوں کے ساتھ جن میں سے بعض صحیح ہیں، حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہ تھا، امام ابن منذر نے سند کے ساتھ حضرت ابن جریج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آیت کریمہ واذ قال ابراہیم لابیہ کے تحت روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آذر ہرگز نہیں بلکہ ان کا نام تیرح یا تارخ تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سلسلہ نسب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم بن تیرح

یا تارخ بن شادورخ بن ناحور بن فالخ،

امام ابن ابی حاتم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت سدی (یعنی حضرت اسماعیل بن عبد الرحمٰن بن ابی کریمہ سدی متوفی ۱۲۷ھ) سے نقل کیا ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آذر تھا؟ آپ نے جواب دیا نہیں ان کا نام تارخ تھا اور انہوں نے لغت کی رو سے یہ وجہ بتائی کہ اہل عرب حضرات لفظ "اب" کو عام طور پر باپ چچا دونوں کے لئے بولا کرتے ہیں اور یہ ان کا عام رواج ہے اگرچہ مجازی ہے

(الحاوی للفتاوی جلد دوم صفحہ ۲۱۳)

جیسے ہمارے ہاں دادا، نانا، تایا اور چچا کو بالترتیب دادا ابو، نانا ابو تایا ابو اور چچا ابو کہا کرتے ہیں۔ بہر حال اس کی پوری تحقیق ہماری اسی کتاب میں اعتراضات و جوابات کے عنوان کے تحت کر دی گئی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

تیسرا دور

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے والدین کریمین تک

دین ابراہیمی کے بارے میں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پھر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی اولاد میں توحید ہمیشہ رہی چنانچہ امام شہرستانی نے "الملل والنحل" میں ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین حنیف قائم رہا اور عرب کے سینوں میں توحید برقرار رہی یہاں تک کہ سب سے پہلے جس نے اسے بدلا اور بت پرستی کی بنیاد ڈالی وہ عمرو بن لحی تھا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بات درست اور صحیح ہے کیونکہ

(۱)۔ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

میں نے عمرو بن عامر بن لحی خزاعی کو دیکھا کہ جہنم میں، اس کی آنتوں کو آگ کی گہرائیوں میں کھینچا جا رہا ہے کیونکہ اس نے بتوں کے نام چار نور چھوڑے تھے۔

(۲) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے انہوں نے فرمایا کہ حضور سید عالم فخر آدم و بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے بتوں کے نام پر جانوروں کو چھوڑنے اور بت پرستی کی ابتداء کی وہ ابو خزاعہ عمرو بن عامر ہے اور بے شک میں نے اسے دیکھا اس کی آنتوں کو آگ میں کھینچا جا رہا ہے۔

(۳) علامہ اسحاق اور علامہ ابن جریر نے اپنی اپنی تفسیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور سید عالم رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نے عمرو بن لحی بن قمعہ بن جندب کو دیکھا کہ وہ جہنم کی آگ میں اپنی آنتوں کو گھسیٹ رہا ہے کیونکہ یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے دین ابراہیمی کو بدلا تھا۔ اور علامہ ابن اسحٰق کی روایت کے لفظ یہ ہیں کہ یہی وہ شخص ہے جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین کو بدلا تھا اور بتوں کی پرستش کو رائج کیا تھا اور اس نے جانوروں میں بحیرہ[1]، سائبہ، وصیلہ اور حام مقرر کئے تھے۔

---

[1] بحیرہ وہ اونٹنی ہے جو پانچ مرتبہ بچے جنتی اور آخر مرتبہ اس کے نر ہوتا اس کا کان چیر دیتے اور اس کا دودھ بتوں کے لئے روک لیتے تھے پھر اس کا نہ کوئی دودھ دوہتا نہ اس پر سواری کرتا اور نہ اس کو ذبح کرتا اور نہ اس کو پانی اور چارہ سے روکا جاتا۔ سائبہ وہ اونٹنی ہے کہ جب کوئی سفر پیش آتا یا کوئی بیمار ہو جاتا تو یہ نذر مان لیتا کہ اگر میں سفر سے بخیریت واپس آجاؤں یا تندرست ہو جاؤں تو میری فلاں اونٹنی سائبہ (یعنی آزاد) ہے اور اسے بتوں کے لئے چھوڑ دیا جاتا تھا، اس سے کوئی کام

(باقی اگلے صفحہ پر)

شرک کا آغاز

(۱) علامہ بزار نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس نے فرمایا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد تمام لوگ اسلام پر قائم تھے مگر شیطان انہیں برائی پر اکساتا رہا۔ وہ چاہتا تھا کہ لوگوں کو اسلام سے گشتہ کر دے، یہاں تک کہ وہ تلبیہ میں بھی دخل انداز ہوگیا اور تلبیہ کے الفاظ بنا دیئے۔

لبیک اللھم لبیک۔ لبیک لا شریک لک الا شریک ھو لک تملکہ وما ملک

یعنی میں حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ تیرا شریک ہے جسے تو نے اپنی ملکیت کا مالک بنا دیا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شیطان نے یہ مہم جاری رکھی یہاں تک کہ بہت بڑی اکثریت کو اسلام سے نکال کر شرک کی طرف لے آیا۔

(۲) امام سہیلی نے "الروض الانف" میں بیان کیا ہے کہ عمرو بن لحی کا وہ زمانہ ہے جب قبیلہ خزاعہ نے بیت اللہ شریف پر غلبہ حاصل کیا تو قبیلہ جرہم

بقیہ صفحہ سابق : یا نفع اٹھانا بحیرہ کی طرح حرام جانا جاتا تھا اور جب کوئی بکری سات مرتبہ بچے جن چکتی تو اگر ساتواں مرتبہ نر بچہ ہوتا تو اس کو مرد کھاتے اور اگر مادہ ہوتا تو بکریوں میں چھوڑ دیا جاتا اور اگر نر مادہ دونوں جڑواں ہوتے تو کہا جاتا یہ مادہ اپنے نر بھائی سے مل گئی لہذا اسے بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا اور اسے وصیلہ (ملنے والی) کہا جاتا، اور جب نر اونٹ سے دس گیابھ حاصل ہو جاتے تو اس کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا، نہ اس پر سواری کی جاتی اور نہ اس سے کوئی کام لیا جاتا اور نہ اس کو چارے پانی سے روکا جاتا ایسے جانور کو حامی کہا جاتا تھا۔

(تفسیر مدارک التنزیل جلد اول صفحہ ۵۳۲)

کو مکہ سے دور کر دیا اور اہل عرب پر سود کو جاری کر دیا یہ نرالی بات ان کی معاشرت میں نہ تھی مگر وہ تیزی سے لینے لگا کیونکہ وہ موسم حج میں لوگوں کو کھانا کھلاتا اور کپڑے پہناتا تھا۔

(۳) علامہ ابن اسحٰق نے ذکر کیا ہے کہ یہی عمرو بن لحی ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے حرم شریف میں بتوں کو داخل کیا اور لوگوں کو ان کی پوجا پر ابھارا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے تلبیہ کے یہ الفاظ تھے۔

لبیک اللّٰھم لبیک لا شریک لک لبیک

یہاں تک کہ عمرو بن لحی جب یہ تلبیہ پڑھ رہا تھا تو شیطان ایک بزرگ کی صورت بن کر اس کا ساتھی بن گیا اور تلبیہ کہنے لگا جب عمرو نے کہا لبیک لا شریک لک تو بزرگ صورت شیطان نے اضافہ کیا کہ۔ الا شریک لک۔ عمرو نے اس کا انکار کیا اور کہا یہ کیا ہے، شیطان نے کہا قل تملکہ وما ملک، یعنی کہو وہ تیرا شریک ہے جس کو تو نے ملکیت دی کیونکہ اس کے کہنے کو کوئی حرج نہیں چنانچہ عمرو نے یہی کہنا شروع کیا اور اہل عرب بھی اس کے ساتھ ہو گئے۔

(۴) حافظ عماد الدین ابن کثیر اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں کہ تمام عرب حضرات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے یہاں تک کہ عمرو بن عامر خزاعی مکہ مکرمہ کا متولی بن بیٹھا اور حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کرام سے کعبہ شریف کی تولیت چھین لی جس کی وجہ سے آپ کے اجداد کرام سے کعبہ معظمہ کی تولیت نکل گئی اور اس عمرو بن عامر خزاعی بدبخت نے بت پرستی رائج کر دی اور سوائب وغیرہ مقرر کر کے عرب میں بے دینی پھیلائی اور تلبیہ میں لبیک لا شریک لک کے بعد الا شریکا ھو لک تملکہ وما ملک کا اضافہ کیا، یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے یہ کہا۔ اور

اہل عرب نے شرک میں اس کی پیروی کی اس کے بعد اہل عرب قوم نوح اور گذشتہ تمام امتوں کے مشابہ بن گئے ان میں سے کچھ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم رہے خانہ کعبہ کی تولیت کی مدت جس میں عمرو بن عامر بن لحی خزاعی قابض رہا تین سو سال ہے اس کی تولیت کا زمانہ بڑا منحوس دور تھا یہاں تک کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے جد امجد حضرت قصی رضی اللہ عنہ نے اس سے جنگ کی اور اس جنگ کو کامیاب بنانے کے لئے سارے عرب سے مدد مانگی اور تمام عرب آپ کے ساتھ ہو گیا اور قبیلہ خزاعہ سے خانہ کعبہ کی تولیت دوبارہ حاصل کر لی لیکن اہل عرب نے اس رسم بد کو جسے عمرو بن عامر خزاعی نے بت پرستی وغیرہ کی صورت میں جاری کر دی تھی نہ چھوڑا کیونکہ انہوں نے اپنے دل و دماغ میں یہ بات بٹھا لی کہ اب اس میں تبدیلی جائز نہیں پس ثابت ہوا کہ حضور رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر عمرو بن عامر خزاعی کے زمانہ تک سب کے سب یقیناً مومن اور مسلمان تھے۔

(الحاوی للفتاوٰی جلد دوم صفحہ ۲۱۵ تا ۲۱۶)

کلمہ توحید کا نسل ابراہیمی میں جاری رہنا

(۱) وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ۝ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ ۝ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝

(پ ۲۵، س ۴۳، آیت ۲۶ تا ۲۸)

اور جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا میں بیزار ہوں تمہارے معبودوں سے سوا اس کے جس نے مجھے پیدا کیا کیونکہ بلا شبہ وہی میری راہنمائی کرتا ہے اور آپ نے کلمہ توحید کو اپنی اولاد میں باقی رہنے والا کلام بنا دیا تاکہ وہ (اس کی طرف) رجوع کریں۔

اس آیت کریمہ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ صرف یہی نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود عقیدہ توحید پر ایمان رکھتے تھے بلکہ آپ نے اپنی آنے والی نسل کو بھی تاکید کی کہ اس راہ حق سے بھٹک نہ جانا اپنا رشتۂ عبودیت، اپنے رب کریم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مستحکم اور پختہ رکھنا۔

چنانچہ حافظ عماد الدین ابن کثیر اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ قریشی کفار اپنے نسب اور دین کے اعتبار سے چونکہ خلیل خدا امام الحنفاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے سنت ابراہیمی ان کے سامنے رکھی کہ دیکھو جو اپنے بعد آنے والے تمام نبیوں کے باپ، اللہ تعالیٰ کے رسول، امام الموحدین تھے، انہوں نے کھلے لفظوں میں نہ صرف اپنی قوم سے بلکہ اپنے (مجازی) باپ (یعنی چچا) سے بھی کہہ دیا کہ مجھ میں اور تم میں کوئی تعلق نہیں، میں سوائے اپنے سچے خدا تعالیٰ کے جو میرا خالق اور میرا ہادی ہے، تمہارے ان معبودوں سے بیزار ہوں اور سب سے بے تعلق ہوں، اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی اس جرأت، حق گوئی اور جذبہ توحید کا بدلہ یہ دیا کہ کلمہ توحید کو انکی اولاد میں ہمیشہ کے لئے باقی رکھا اور یہ بات ناممکن ہے کہ آپ کی اولاد میں اس پاک کلمہ کے ماننے والے نہ ہوں بلکہ انہی کی اولاد اس کلمہ توحید کی اشاعت کرے گی اور سعادت مند روحیں اور نیک بخت لوگ اسی گھرانے سے توحید خدا تعالیٰ اور دین حنیف سیکھیں گے۔ غرضیکہ اسلام اور توحید کا معلم یہی گھرانہ قرار پایا گیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد پنجم)

(۲) علامہ قاضی محمد ثناء اللہ حنفی تفسیر مظہری میں اس آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت	قَالَ قَتَادَةُ لَا يَزَالُ فِي ذُرِّيَّتِهٖ

مَنۡ یَعۡبُدُ اللّٰہَ وَحۡدَہٗ فَقَالَ الۡقُرۡطُبِیۡ جَعَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَصِیَّۃَ اِبۡرَاھِیۡمَ بَاقِیَۃً فِیۡ نَسۡلِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ

(تفسیر مظہری جلد دوم ہشتم ص۳۲۵)

ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہمیشہ کچھ لوگ ایسے رہیں گے جو صرف اکیلے اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتے رہیں گے، علامہ قرطبی نے تفسیر قرطبی میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اسلام پر ثابت قدم رہنے کی وصیت کو آپ کی نسل اور اولاد میں باقی رکھا۔

(۳) علامہ صوفی علاؤ الدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی تفسیر خازن میں اسی آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کلمہ توحید جس کے ساتھ آپ نے لوگوں سے گفتگو فرمائی وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے جسے آپ نے اپنی اولاد میں باقی رکھا

فَلَا یَزَالُ فِیۡھِمۡ مَنۡ یُّوَحِّدُ اللّٰہَ تَعَالٰی وَیَدۡعُوۡا اِلٰی تَوۡحِیۡدِہٖ

(تفسیر خازن، مدارک التنزیل ج ۴، ص۱۱۱)

لہذا آپ کی اولاد میں سے کچھ لوگ ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی توحید کو مانتے رہیں گے اور لوگوں کو بھی توحید الٰہی کی دعوت دیتے رہیں گے۔

(۴) علامہ امام محمد فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

جَعَلَ اللّٰہُ دِیۡنَہٗ وَمَذۡھَبَہٗ بَاقِیَۃً فِیۡ عَقِبِہٖ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ

(تفسیر کبیر ج ۷، ص۲۲۱ تا ۲۲۲)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین اور مذہب کو ان کے بعد انکی اولاد میں قیامت تک باقی رکھا ہے۔

پھر امام رازی نے وہی تقریر کی ہے جو علامہ خازن نے تفسیر خازن میں کی ہے جسے ہم اوپر نقل کر آئے ہیں۔

(۵) علامہ امام جلال الدین سیوطی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

(الف) علامہ عبد بن حمید اپنی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول آیت کریمہ وجعلها كلمة باقية في عقبه کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد آنے والی نسل میں لا الہ الا اللہ کو باقی رکھا	لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بَاقِيَةٌ فِي عَقِبِ اِبْرَاهِيْمَ

(ب) علامہ عبد بن حمید، علامہ ابن جریر اور علامہ ابن منذر نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے مذکورہ بالا کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد کلمہ طیبہ یعنی لا الہ الا اللہ ہے۔

(ج) علامہ عبد بن حمید کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت یونس نے حدیث بیان کی ہے اور انہوں نے حضرت شیبان سے اور حضرت شیبان نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اسی آیت کے تحت حدیث بیان کی ہے کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کلمہ باقیہ سے لا الہ الا اللہ اور توحید کی گواہی دینی مراد ہے اس کلمہ کے کہنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد میں ہمیشہ موجود رہے۔

(د) علامہ امام عبد الرزاق نے اپنی تفسیر میں حضرت معمر سے اور انہوں نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یہ اخلاص اور توحید ہے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ایسے لوگ جو اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی دیتے رہیں گے اور اسی کی عبادت کرتے رہیں گے۔ اسی روایت کو علامہ ابن منذر نقل کر کے کہتے ہیں کہ علامہ ابن جریر نے آیت کریمہ عقب ابراہیم میں بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد انکی اولاد کلمہ توحید کہنے والے ہمیشہ موجود رہیں گے، نیز فرمایا کہ ایک قول یہ ہے کہ نسل ابراہیمی میں کچھ لوگ ہمیشہ فطرت اسلام پر رہیں گے جو قیامت تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔

(ہ) علامہ عبد بن حمید نے امام زہری سے اس آیت کریمہ کے تحت نقل

کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا عقب سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل کے مرد وزن اور انکی اولاد مراد ہیں اور حضرت عطاء سے روایت ہے آپ نے فرمایا عقب سے مراد آپ کی اولاد اور نسل کے لوگ ہیں

(۲) وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (پ ۱، ع ۱۶، آیت ۱۳۲)

اور اسی دین کی وصیت کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو، اور یعقوب نے کہا کہ اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے یہ دین تمہارے لئے چن لیا ہے پس نہ مرنا مگر مسلمان

اس آیت کریمہ کے تحت علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں غور کرو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں اسلام کی کس قدر محبت و عزت تھی کہ خود بھی اس پر زندگی بھر عمل کرتے رہے اور اپنی اولاد کو بھی اس کی وصیت کی جیسے قرآن کریم میں دوسرے مقام پر ہے۔

وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ

یعنی ہم نے اسے ان کی اولاد میں باقی رکھا

بعض بزرگان دین نے وَيَعْقُوْبَ لِيَبْنِيْ بَا پر زبر پڑھا ہے تو اس صورت میں بَنِيْهِ پر عطف ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو اور اولاد کی اولاد میں سے حضرت یعقوب کو جو اس وقت موجود تھے دین اسلام پر استقامت کی وصیت فرمائی۔

علامہ قشیری فرماتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے انتقال کے بعد پیدا ہوئے لیکن محض دعوے ہے جس پر کوئی دلیل نہیں بلکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام کے ہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں پیدا ہوئے تھے کیونکہ قرآن پاک کی آیت میں ہے۔

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ

یعنی ہم نے انہیں اسحٰق کی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب کی خوشخبری دی۔

لہذا اگر حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں نہ ہوں تو پھر ان کا نام لینے میں کوئی زبردست فائدہ باقی نہیں رہتا چنانچہ سورہ عنکبوت پارہ ۲۰، آیت ۲۷ میں بھی ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحٰق اور یعقوب عطا فرمایا اور اس کی اولاد میں ہم نے نبوت وکتاب رکھی۔ ایک اور آیت میں ہے کہ ہم نے اسے اسحٰق عطا فرمایا اور یعقوب پوتا عطا فرمایا (پارہ ۱۷، س ۲۱، آیت ۷۲)

یاد رہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹوں کو اسلام پر ثابت قدم رہنے کی وصیت فرمائی تھی جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے وصیت اس بات کی کہ تم زندگی بھر ہمیشہ کے لئے دین اسلام پر قائم رہو اور زندگی وپایکہ امتی پر ثابت قدم رہو تاکہ موت بھی اسی پر آئے کیونکہ عموماً انسان زندگی میں جس حال میں ہوتا ہے موت بھی اسی حال پر آتی ہے اور جس حال پر مرتا ہے آخرت کے دن بھی اسی حال پر اٹھے گا۔

(تفسیر ابن کثیر جلد اول ص۱۹۶)

(۳) وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (پ ۱۳، س ۱۴، آیت ۳۵)	اور یاد کرو جب ابراہیم نے عرض کی اے میرے رب اس شہر (مکہ مکرمہ) کو امان والا بنا دے اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کے پوجنے سے بچا۔

(الف) علامہ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اس آیت کریمہ کے تحت حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا ان کے بیٹوں کے حق میں قبول فرمائی اور آپ کے فرزندوں میں سے کسی نے اس دعا کے بعد بت پرستی نہیں کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی دوسری دعا بھی قبول فرمائی اور اس شہر مکہ مکرمہ کو امن والا شہر قرار دیا اور آپ کے اہل کو رزق عطا فرمایا، آپ کو امام بنایا

اور آپ کی نسل سے ایسے لوگ بھی پیدا فرمائے جو نماز کو قائم کرنے والے تھے۔

(ب) امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب زمین پر تشریف لائے تو پریشان ہو گئے پھر بیت الحرام کے قصہ میں ایک طویل حدیث ذکر کی ہے جس میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں فرمایا کہ میں ان کے لئے ایک ایسی امت پیدا کروں گا جو میرے حکم کی فرمانبردار ہوگی اور دوسرے لوگوں کو میری راہ ہدایت کی طرف بلائے گی اور میں ان تمام لوگوں میں سے اسے منتخب کروں گا۔ سیدھی راہ کی طرف اس کی راہنمائی کروں گا اور میں انکی دعا بعد میں آنے والی اولاد اور نسل کے بارے میں قبول کروں گا اور ان کے حق میں ان کی شفاعت قبول کروں گا اور ان کو خانہ کعبہ کے پاس بساؤں گا اور انہیں ان کا متولی اور حامی و مددگار بناؤں گا اور یہ روایت حضرت مجاہد کے شروع میں ذکر کئے گئے قول کے موافق ہے اور اس میں شک نہیں کہ خانہ کعبہ کی تولیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دیگر اولاد کے برعکس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کرام کے لیے خصوصیت کے ساتھ مشہور و معروف ہے نہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تمام اولاد کے ساتھ۔

یہاں تک کہ عمرو بن خزاعی نے یہ تولیت ان سے چھین لی پھر بعد میں واپس آ گئی لہذا اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کے بارے میں جو کچھ فضیلت ذکر کی گئی ہے اس کے سب سے زیادہ مستحق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آباؤ اجداد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں سے منتخب فرمایا اور انہی میں یکے بعد دیگرے نور نبوت منتقل ہوتا رہا لہذا اللہ تعالیٰ کے فرمان

رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلٰوةِ	اے اللہ مجھے اور میری کچھ اولاد کو نماز

وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ	قائم کرنے والا رکھ

میں اولاد سے حضور کے آباؤ اجداد مراد لینا سب سے بہتر ہے وہی اس بات کے زیادہ مستحق ہیں

(ج) علامہ ابن ابی حاتم نے حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ کیا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی نے بت کی پوجا کی ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ نہیں، پھر فرمایا کہ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا کہ

وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ	اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کے پوجنے سے بچا۔

کسی نے سوال کیا کہ اس آیت میں حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تمام اولاد کیوں داخل نہیں۔؟ آپ نے جواب میں فرمایا اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس شہر مکہ مکرمہ کے رہنے والوں کے لئے دعا مانگی تھی کہ وہ بتوں کو نہ پوجیں اور اس شہر میں آپ کی تمام اولاد نہیں رہتی تھی بلکہ اس شہر مکہ معظمہ میں خاص اولاد حضرت اسماعیل علیہ السلام، رہائش پذیر تھے نیز آپ نے پہلے یہ دعا کی تھی۔

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا	اے اللہ اس شہر کو امن والا بنادے۔

اس دعا سے ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام شہروں کے لئے دعا نہیں مانگی تھی بلکہ صرف مخصوص مکہ مکرمہ کے لئے مانگی تھی، پھر اس دعا کے بعد عرض کیا۔

رَبَّنَا اِنِّيْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (پ ۱۳، س ۱۴، آیت ۳۷)	اے ہمارے رب میں نے اپنی کچھ اولاد ایک وادی میں بسائی ہے جس میں کھیتی نہیں ہوتی تیرے حرمت والے گھر کے پاس، اے ہمارے رب اس لئے کہ وہ نماز قائم کریں۔

لہذا اب حضرت سفیان عیینہ رضی اللہ عنہ کے جواب میں غور کریں کیونکہ آپ آئمہ مجتہدین میں سے ہیں اور ہمارے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ہیں

(۲) رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ (ابراہیم) پ۱۳، ع۱۸، آیت ۴۰)

اے میرے رب مجھ کو اور میری کچھ اولاد کو نماز قائم کرنے والا رکھ۔

(الف) علامہ ابن منذر نے حضرت جریج رضی اللہ عنہ سے اس مذکورہ بالا ارشاد خداوندی کے بارے میں ایک روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا۔

فَلَنْ یَزَالَ مِنْ ذُرِّیَّۃِ ابْرَاھِیْمَ نَاسٌ عَلَی الْفِطْرَۃِ یَعْبُدُوْنَ اللّٰہَ (الحاوی للفتاوی جلد ۲، صفحہ ۲۱۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کچھ اولاد ہمیشہ فطرت اسلام پر قائم رہی ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتی رہی۔

(ب) حضرت سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آیت مذکورہ بالا کے بارے میں روایت کی ہے کہ

لَا یَزَالُ مِنْ وَّلَدِ ابْرَاھِیْمَ نَاسٌ عَلَی الْفِطْرَۃِ اِلٰی اَنْ تَقُوْمَ السَّاعَۃُ (مدارک التنزیل جلد سوم صفحہ ۹۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کچھ اولاد ہمیشہ قیامت تک فطرت اسلام پر قائم رہے گی۔

محبوب خدا کے اجداد کرام کا ذکر خیر

خیال میں رہے کہ مذکورہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد یعنی بنو اسمٰعیل میں ہمیشہ کچھ لوگ دین فطرت اور کلمہ توحید پر قائم رہیں گے اور چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نسب مبارک بنو اسمٰعیل سے ملتا ہے لہذا آپ کے تمام آباؤ امہات بھی کلمہ توحید پر قائم رہے تھے کیونکہ حضور کا فرمان ہے کہ میرے تمام آباؤ امہات پاک اور دوسرے لوگوں سے بہتر ہیں اور یہ تب ہو سکتا ہے کہ جب وہ شرک و کفر کے زمانہ میں بھی توحید پر قائم رہے ہوں لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس زمانہ

حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام آباؤ امہات موحد مومن تھے اور چونکہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے مطابق حضور رحمت عالم نبی مکرم صلے اللہ علیہ وسلم جب اپنا نسب مبارک بیان فرماتے تو حضرت معد بن عدنان سے آگے نہ بڑھتے اور فرماتے کہ نسب بیان کرنے والوں نے حضرت معد بن عدنان سے آگے جو کچھ بیان کیا ہے اس میں غلطیاں ہیں اور یہ دو یا تین بار فرماتے لہٰذا ہم یہاں حضرت عدنان سے حضور کے والدین کریمین تک حضرات اجداد کرام کا ذکر خیر کرینگے

(۱) علامہ ابو جعفر محمد بن حبیب نے اپنی کتاب "تاریخ ابن حبیب" میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل فرمائی ہے کہ آپ نے فرمایا حضرت عدنان، حضرت معد، حضرت ربیعہ، حضرت مضر، حضرت خزیمہ اور حضرت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب کے سب ملت ابراہیمی پر تھے۔

فَلَا تَذْكُرُوْهُمْ اِلَّا بِخَيْرٍ لہٰذا ان کا ذکر ہمیشہ خیر کے ساتھ کیا کرو

حضرت عدنان کے نام رکھنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ جن و انس (یعنی اہل کتاب) آپ کی تاک میں رہتے تھے تاکہ آپ کو ختم کر دیں کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس صالح اور نیک جوان کی نسل سے ایک ایسی مقدس اور پاک ہستی پیدا ہوگی جو صرف انسانوں اور جنوں کی نہیں بلکہ تمام مخلوقات کی سردار ہوگی لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں جنوں کے شر سے محفوظ رکھا

ایک مرتبہ عدنان تنہا گھوڑے پر سوار جا رہے تھے کہ فارس کے راستے میں اسی جوانوں نے ان کا پیچھا کیا اور دو پہاڑوں کے درہ میں گھیر لیا عدنان ان سواروں کا تنہا مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ خود بھی زخمی ہوئے اور گھوڑا بھی زخمی ہو گیا، لہٰذا گھوڑے سے اتر کر پہاڑ کی طرف بھاگے دشمنوں نے تعاقب کیا۔ حضرت عدنان تے مایوس ہو کر اپنے

ملجا و ماوی پروردگار عالم خالق کائنات اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا تو اسی آن پہاڑ سے ایک ہاتھ برآمد ہوا اور انہیں اٹھا کر پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا دیا۔ اس کے بعد ایک چیخ سنائی دی جس سے تمام دشمن ہلاک ہو گئے اور یہ واقعہ معجزات سے متعلق ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش سے پہلے ظاہر ہوئے۔

(معارج النبوت رکن اول)

(۲) حضرت معد بن عدنان کے نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ لفظ مَعد تازہ پھل کے لئے استعمال ہوتا ہے چونکہ حضرت مَعد کا چہرہ مبارک ہر وقت تر و تازہ دکھائی دیتا تھا اور آپ اپنے دور کے حسین ترین لوگوں میں سے تھے چنانچہ آپ کے حسن و جمال کو دیکھنے والا تعجب اور حیرت میں رہ جاتا تھا۔ نیز بعض لوگوں نے آپ کو مَعد کہنے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ آپ یہود (یعنی بنی اسرائیل) سے مصروف جہاد رہتے اور ان سے مقابلوں میں کامیاب اور کامران ہوتے اور بہت زیادہ مال غنیمت لے کر آتے اسی وجہ سے آپ کو مَعد (یعنی جہاد کے لئے تیار رہنے والے) کہا جاتا تھا۔

چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ ضحاک ابن مَعد چالیس افراد کے ساتھ مل کر بنی اسرائیل کے ایک بہت بڑے جنگجو لشکر سے لڑے اور ان کو مقابلے سے بھگا دیا اور ان کا مال و زر لوٹ لیا اور شکست خوردہ لوگوں کو قید کر لیا۔ بنی اسرائیل اپنے وقت کے نبی کے پاس گئے اور ان سے شکایت کی اور بہت روئے کہ آپ مَعد اور انکی نسل کے لئے بددعا کریں تاکہ اس لڑائی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان سب کو ہلاک کر دے۔ اس زمانے کے نبی نے بددعا کرنے کے لئے اپنے ہاتھ اٹھائے ہی تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ نبی آخر الزمان صلے اللہ علیہ وسلم انہیں کی نسل سے ہوں گے لہٰذا ان کے لئے بددعا نہ فرمائیں۔

(معارج النبوت رکن اول)

علامہ ابو جعفر محب الدین احمد طبری وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ اللہ کریم نے حضرت ارمیاہ (پیغمبر خدا) علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ تم بخت نصر کے پاس چلے جاؤ اور اسے جا کر بتاؤ کہ میں نے تجھے عرب پر غلبہ عطا کیا ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت ارمیاہ علیہ السلام کو حکم دیا کہ حضرت معد بن عدنان کو اپنے ساتھ سواری پر بٹھا کر اپنے ساتھ لے جائیں تاکہ انہیں (بوقت حملہ) کوئی نقصان نہ پہنچے۔

فَاِنِّیْ مُسْتَخْرِجٌ مِنْ صُلْبِہٖ نَبِیًّا کَرِیْمًا اَخْتِمُ بِہِ الرُّسُلَ

کیونکہ میں بلاشبہ انکی پشت مبارک سے ایک مہربان پیغمبر پیدا کروں گا جس پر میں تمام رسولوں کی رسالت ختم کر دوں گا

چنانچہ حضرت ارمیاہ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور حضرت مَعَد کو سرزمین شام لے گئے اور بنی اسرائیل کے ساتھ رکھا پھر فتنوں کے ختم ہو جانے کے بعد واپس سرزمین حجاز میں لوٹ آئے۔

(الحاوی للفتاوی جلد دوم صـ۲۱۷)

آپ کی اولاد انیس افراد پر مشتمل تھی مگر نعمت باطنی یعنی نور محمدی صلے اللہ علیہ وسلم سے حضرت نزار بن مَعَد سرفراز ہوئے۔

(۲) حضرت نزار بن مَعَد بن عدنان جب پیدا ہوئے تو آپ کے والد حضرت مَعَد بن عدنان نے حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان چمکتا ہوا دیکھا اور بہت ہی زیادہ خوش ہوئے اور اس خوشی میں اپنے دوست واحباب کی دعوت کی اور ایک ہزار اونٹ بارگاہ الٰہی میں بطور شکرانہ قربان کئے اہل قبیلہ نے فضول خرچی کا طعنہ دیا اور کہا کہ تم نے بہت زیادہ خرچ کر دیا ہے، حضرت مُعَد بن عدنان نے ان کو کھانا کھلانے کے بعد جواب میں فرمایا میں تو اس کو بھی کم ہی سمجھتا ہوں لہذا میں نے اس بچے کی

پیدائش کی خوشی میں جو کچھ کیا ہے وہ بہت تھوڑا ہے اسی وجہ سے
کا نام نزار دقلیل ، رکھا گیا۔

(زرقانی علی المواہب ، انوار المحمدیہ ، مدارج النبوت جلد ۲ ، معارج النبوۃ

حضرت فضیلت مآب الشیخ علامہ محمد رضا مصری لکھتے ہیں کہ
آپ اپنے دور میں حسن وجمال اور عقل ودانش میں ہمعصروں پر فوقیت
رکھتے تھے
(محمد رسول اللہ ص۱۵)

اور آپ کی زوجہ کا نام سودہ بنت عک بن الریث بن عدنان تھا اور
یہ عک بن ریث وہی ہیں جنہوں نے یمن میں سلطنت قائم کی تھی۔

(۴) علامہ ابن سعد نے " الطبقات " میں حضرت عبداللہ بن خالد کی
ایک مرسل روایت نقل کی ہے ، انہوں نے کہا کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ
وآلہ واصحابہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَا تَسُبُّوْا مُضَرَ فَاِنَّهٗ كَانَ قَدْ اَسْلَمَ | مضر کو برا نہ کہو ، بے شک وہ مسلمان تھے۔

علامہ سہیلی نے الروض الانف میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

لَا تَسُبُّوْا مُضَرَ وَلَا رَبِيْعَةَ فَاِنَّهُمَا كَانَا مُؤْمِنَيْنِ | نہ مضر کو برا کہو اور نہ ربیعہ کو کیونکہ وہ دونوں یقیناً مومن تھے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اسی روایت کو نقل کر کے
فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مبارکہ مستند اور قابل اعتماد ہے کیونکہ میں اس
کے تمام طرق سے واقف ہوں چنانچہ انہوں نے مذکورہ بالا حدیث مبارکہ
کی تائید میں پوری سند کے ساتھ حدیث نقل کی ہے اور وہ یہ ہے کہ علامہ
ابوبکر محمد بن خلف بن حیان عرف علامہ وکیع نے " الغرر من الاخبار " میں
اس حدیث مبارکہ کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہمیں اسحق بن داؤد
بن عیسٰی مروزی نے ابو یعقوب شعرانی سے یہ حدیث بیان کی اور انہوں

نے ہم سے سلیمان بن عبد الرحمن دمشقی نے بیان کی اور ان سے عثمان بن محمد سعد ابن ابی وقاص سے لی ہے اور انہوں نے کہا ہم سے حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم نے یہ حدیث بیان کی کہ حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَسُبُّوْا رَبِیْعَۃَ وَلَا مُضَرَ فَاِنَّھُمَا کَانَا مُسْلِمَیْنِ (الحاوی للفتاویٰ ج ۲، ص ۲۱)	ربیعہ کو برا نہ کہو اور نہ مضر کو کیونکہ وہ دونوں یقیناً مسلمان تھے۔

حضرت مُضر کی خوبیوں میں سے اہم ترین خوبی یہ تھی کہ انہیں انتہائی درجے کی دین پسندی تھی وہ شریعت ابراہیمی کی نشر و اشاعت اور اس کی ترویج میں انتہائی کوشش کرتے تھے۔ (معارج النبوت)

حضرت مضر حسن و جمال میں بے مثال تھے جو انہیں دیکھتا وہ ان کا گرویدہ ہو جاتا۔ ان کے حکیمانہ اقوال سے چند درج ذیل ہیں۔

- سب سے بہتر نیکی وہ ہے جس پر جلدی عمل ہو۔
- خود کو مصائب کے مقابلہ کے لئے آمادہ رکھو۔
- نفس کو ایسی خواہشات سے باز رکھو جن میں فساد کا اندیشہ ہو کیونکہ اصلاح و فساد کے درمیان خیر ہی کا تھوڑا سا فاصلہ ہے۔
- حضرت مضر ہی نے سب سے پہلے اونٹوں کے لئے حدی خوانی (اونٹوں کو گا کر چلانا) کا آغاز کیا کیونکہ آپ بہت خوش الحان تھے۔

(محمد رسول اللہ)

(۵) علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علامہ سہیلی نقل کرتے ہیں کہ حضور سید عالم رحمت مجسم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔

لَا تَسُبُّوْا اِلْیَاسَ فَاِنَّہٗ کَانَ مُؤْمِنًا	حضرت الیاس کو برا نہ کہو کیونکہ وہ مومن تھے

نیز روایت میں مذکور ہے کہ

انه کان یسمع فی صلبه تلبیة النبی صلی اللہ علیه وسلم بالحج (الشفاء للقاضی جلد ۲، ص۲۱)	بے شک آپ حج کرتے ہوئے اپنی پشت مبارک میں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ (اے اللہ میں حاضر ہوں) کہنا سنتے تھے۔

چنانچہ حضرت شیخ علامہ محمد عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے قربانی کے اونٹ بیت اللہ شریف آپ ہی نے بھیجے تھے

(مدارج النبوت)

اہل عرب آپ کی بہت تعظیم کرتے تھے اور سید العرب کہہ کر بلاتے اور آپ اپنی قوم میں سب سے زیادہ خوبصورت، سخی، قابل احترام اور بزرگ سمجھے جاتے تھے اور اپنی قوم میں حضرت لقمان حکیم کی حیثیت کے حامل سمجھے جاتے تھے۔ ان کے دانشورانہ اقوال میں چند درج ذیل ہیں۔

- جو شخص نیکی کا بیج بوئے گا وہ خوشی وشادمانی کا پھل پائے گا۔
- جو شخص شر کا بیج بوئے گا تو وہ ندامت اور شرمندگی اور ناکامی وحسرت کا پھل پائے گا

(محمد رسول اللہ)

آپ کے ان ارشادات سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ واقعی لقمان حکیم کی حیثیت کے حامل تھے کیونکہ آپ نے اپنے ان دو ارشادات میں اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ انسان ایک ذمہ دار مخلوق ہے جو اچھے یا برے کام کرتا ہے اس کے لئے جوابدہ ہے بلکہ آپ نے قرآن حکیم کی دو واضح ارشادات کی ترجمانی کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قرآن حکیم میں ارشاد ہے کہ۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ○	پس جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ (بھی) اسے دیکھ لے گا۔

حضرت مُدرِکہ: ان کا نام عمرو اور لقب مُدرِکہ ہے۔ لِأَنَّهُ أَدْرَكَ كُلَّ عِزٍّ وفخرٍ كَانَ فِيْ آبَائِهِ وَكَانَ فِيْهِ نُوْرُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کیونکہ انہوں نے اپنے آباؤ اجداد (یعنی خاندان) کے تمام اعزازات اور تمام قابلِ فخر کمالات کو حاصل کر لیا تھا اور ان میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور مبارک روشن تھا (سیرت حلبیہ جلد نمبر 1 صفحہ نمبر ۲۶ زرقانی جلد اول صفحہ ۷۸، مدارج النبوت جلد دوم صفحہ نمبر ۱۰ باب اول نسب کے بیان میں) فائدہ: اس عبارت سے واضح ہو گیا ہے کہ حضرت مدرکہ اپنے خاندان کے تمام عز و فخر کے حامل تھے اور یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ایمان و توحید ہی قابل اعزاز اور قابل فخر ہیں نہ کہ کفر و شرک۔ اسی طرح بدکاری و زنا کاری سے پاکدامن ہونے میں ہی عزت و فخر ہے نہ کہ بدکاری کے ارتکاب میں۔ جس سے واضح ہو گیا کہ آپ اپنے آباؤ اجداد کی طرح مومن و موحد اور نیک سیرت و پاکدامن تھے۔ اسی لئے تو ان کی پیشانیٔ مبارک میں نورِ مصطفےٰ چمکتا تھا کیونکہ حضور کا نور مبارک پاک پشتوں سے پاک شکموں کی طرف منتقل ہوتا رہا ہے۔

علامہ طبری لکھتے ہیں حضرت مدرکہ کا اصل نام عمرو بن الیاس ہے، والدہ کا نام بنت حلوان ہے۔ یہ یمن کے ایک قبیلہ کی ایک محترم خاتون تھیں اور ان کا لقب خندف تھا اور یہ اپنے اوصاف حسنہ اور شمائل حمیدہ کی وجہ سے بڑی قدر و احترام سے دیکھی جاتی تھیں یہاں تک کہ ان کی اولاد کو باپ کی بجائے ان ہی کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔ آپ کے لقب مدرکہ کی دوسری وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ ایک روز خرگوش چھلانگیں لگاتا ہوا اونٹوں کے پاس سے بھاگتا ہوا گزرا جس سے اونٹ بدکے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت عمرو نے دیکھا تو بڑی پھرتی کے ساتھ اونٹوں کے پیچھے دوڑ لگا دی اور انہیں ہر طرف سے پکڑا اور اکٹھا کر کے سب کو ہانک لائے جس کی وجہ سے ان کا لقب مدرکہ مشہور ہو گیا یعنی اونٹوں کے پانے والے۔ حضرت شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی نے تیسری وجہ یہ لکھی ہے کہ حضرت عمرو نے شکار کرنے کے لیے خرگوش کے پیچھے دوڑ لگا دی

اور اسے گھیر کر پکڑ لیا اس لیے آپ کا لقب مدرکہ مشہور ہو گیا یعنی شکار کو پانے والے۔ اس لیے مدرکۃ میں (عربی میں جو آخر میں تا، آتی ہے وہ) تانیث کی تا نہیں بلکہ مبالغہ کے لیے ہے (جیسے علامہ میں ہے)

حضرت خُزَیمہ:

حضرت مدرکہ کے پانچ بیٹے تھے جن میں سب سے بڑے بیٹے حضرت خزیمہ تھے اور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت مدرکہ سے منتقل ہو کر اسی بڑی صاحبزادے حضرت خزیمہ کے سپرد ہوا چنانچہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں ہے (**وَفِيهِ نُورُ رَسُولِ اللهِ صلى الله تعالىٰ عليه وَسَلَّم**) اور ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک جلوہ گر تھا اور علامہ ابن الحبیب نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا (**مَاتَ خُزَيْمَةُ عَلىٰ مِلَّةِ اِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ**) حضرت خزیمہ حضرت ابراہیمؑ کے دین پر فوت ہوئے تھے یہی روایت علامہ زرقانی نے بھی بیان کی ہے (سبل الھدیٰ والرشاد جلد اول صفحہ نمبر ۳۲۸۔ زرقانی علی المواہب جلد اول صفحہ نمبر ۷۸) امام جلال الدین سیوطی نے الحاوی للفتاویٰ میں اس طرح بیان کیا ہے کہ جناب عدنان، جناب معد، جناب ربیعہ، جناب مضر، جناب خزیمہ اور جناب اسد سب کے سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر قائم تھے (**فَلَاتَذْكُرُوْهُمْ اِلَّا بِخَيْرٍ**) سو تم ان کا تذکرہ خیر و بھلائی کے ساتھ کیا کرو (الحاوی للفتاویٰ جلد دوم نمبر ۲۱۷)۔

حضرت کِنانہ بِن خُزیمہ:

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی ہے آپ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو برگزیدہ بنایا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے بنی کنانہ کو برگزیدہ بنایا اور بنی میں سے قریش کو برگزیدہ بنایا

قریش میں سے بنی ہاشم کو منتخب فرمایا اور بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا (مسلم، ترمذی، مشکوۃ) آپ کا نام نامی اسم گرامی کنانہ اور کنیت ابوالنضر تھی کنانہ کا معنی ترکش ہے جس طرح ترکش تیروں کو اپنے اندر چھپا لیتا ہے۔ اسی طرح انہوں نے بھی اپنی ساری قوم کو اپنے جودوکرم کے دامن میں چھپالیا تھا علامہ حلبی لکھتے ہیں آپ کو اس نام سے اس لئے یاد کیا جاتا تھا کہ آپ اپنی قوم کے محافظ تھے اور بعض اہل علم نے کہا کہ آپ اپنی قوم کے رازوں کے نگہبان اور اپنی قوم کی پردہ پوشی کرنے والے تھے اور آپ بہت نیک سیرت بزرگ تھے اور نہایت معزز و محترم سردار تھے۔ اور تمام اہل عرب آپ کے علم وفضل کی وجہ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ لوگوں سے بیان فرماتے تھے کہ (قَدْ آنَ خُرُوْجُ نَبِيٍّ مِنْ مَكَّةَ يُدْعىٰ أَحْمَدُ يَدْعُوْا إِلَى اللهِ وَالْبِرِّ وَالْأِحْسَانِ وَمَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ فَاتَّبِعُوْهُ) بے شک عنقریب مکہ مکرمہ سے ایک نبی اور ایک پیغمبر کا ظہور ہوگا جس کا نام نامی اسم گرامی احمد ہوگا وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دے گا اور نیکی اور بھلائی اور اچھے اخلاق اپنانے کی تلقین کرے گا سوتم ان کی اتباع اور پیروی کرو گے تو تم عزت وشرافت میں اضافہ پاؤ گے اور تم ان کی تکذیب نہ کرنا کیونکہ وہ جو کچھ پیش کریں گے وہی حق ہوگا (سیرت حلبیہ جلد اول صفحہ نمبر ۲۶ سبل الہدیٰ والرشاد جلد اول صفحہ نمبر ۳۳۸)۔

ایک دن حضرت کنانہ حطیم کعبہ میں سورہے تھے کہ آپ نے خواب دیکھا اور آپ سے فرمایا گیا کہ ان چار چیزوں میں سے ایک چیز منتخب کرلیں گھوڑے، اونٹ، تعمیرات اور دائمی عزت ووقار۔ آپ نے عرض کیا اے میرے پروردگار! مجھے یہ تمام نعمتیں عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور تمام نعمتیں عطا فرمادیں۔ (سبل الہدیٰ والرشاد جلد اول صفحہ نمبر ۳۳۸) حضرت کنانہ نے حضرت عیسیٰ، حضرت زکریا اور یحییٰ علیہم السلام کی زیارت کا شرف واعزاز حاصل کیا ہے چنانچہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اس وقت حضرت کنانہ کی عمر مبارک پندرہ سال تھی ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فلسطین سے حجاز مقدس تشریف لائے جب حضرت کنانہ سے ملاقات

ہوئی تو آپ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے حضرت کنانہ کو بشارت دی کہ تمہاری پشت مبارک میں آخر الزمان نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور مبارک جلوہ گر ہے وہ تمہاری اولاد سے ظہور فرمائیں گے اور تمہارا نام ان کے آباؤ اجداد میں روشن رہے گا (الذکر الحسین فی سیرۃ النبی الامین صفحہ نمبر ۷۱، ۷۲)

حضرت نضر بن کنانہ:

حضرت نضر کا اصل نام قیس تھا لیکن ان کی پیشانی میں نور مصطفے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم روشن تھا جس کی وجہ سے آپ کا چہرہ نورانی اور حسن و جمال کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا اسی حسن و جمال کے سبب آپ کا لقب نضر مشہور ہو گیا کیونکہ نضر کا معنی خوبصورت اور حسین وجمیل نیز بارونق، تر و تازہ ہے۔ ارشاد ہے (**وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ○ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ**) اس روز کچھ چہرے روشن ہونگے اپنے رب کو دیکھتے ہونگے (سورت القیامۃ، آیت ۲۲، ۲۳)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا:

لَا تَسُبُّوا قَيْسًا فَإِنَّهُ كَانَ مُسْلِمًا ۔ تم جناب قیس کو برا نہ کہو کیونکہ وہ مسلمان تھے (الحاوی للفتاوی جلد دوم صفحہ نمبر ۲۱۸ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ لائل پور (فیصل آباد)

حضرت مالک بن نضر:

حضرت مالک بن نضر مکارم اخلاق، سخاوت و مہمان نوازی اور ذہانت وعقلمندی اور مفید مشوروں کے سبب لوگوں میں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے آپ کے والد محترم حضرت نضر بن کنانہ اپنی زندگی میں لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے آپ سے مشورہ کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کو عرب کے قبائل میں ایک سربراہ کی حیثیت حاصل ہو چکی تھی آپ کے ہر حکم کی بخوشی تعمیل کی جاتی تھی یہاں تک کہ آپ کو **مَلِكُ الْعَرَبِ** یعنی عرب کا بادشاہ کہا جاتا تھا چنانچہ علامہ زرقانی نے تاریخ خمیس کے حوالے سے لکھا ہے۔ **قَالَ الْخَمِيسُ سُمِّيَ مَالِكًا**

لانّهٗ کَانَ مَلِکُ الْعَرَبِ۔ تاریخ خمیس کے مصنف نے کہا کہ آپ کا نام مالک اس لیے
رکھا گیا کہ آپ عرب کے بادشاہ تھے ۱۹الذکر الحسین فی سیرۃ النبی الامین بحوالہ زرقانی جلد اول
صفحہ نمبر ۷۶) حضرت مالک بن نضر اپنے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم تھے
اس لیے آپ پکے موحد تھے نیز آپ کے بارے میں شرک کے ثبوت میں کوئی مستند روایت نہیں
ملتی بلکہ امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

فحصلَ ممّا أوردناه أنّ آباءَ النّبيّ صلّى اللهُ عليهِ وسلّم من
عهدِ ابراهيمَ إلى كعبِ بنِ لؤيّ كانوا كلّهم على دينِ ابراهيم

ترجمہ: سو ہم نے حضرت ابراہیم کی اولاد میں کلمہ توحید لاالٰہ الّا اللّٰہ باقی رہنے کے متعلق
جو آیات اور روایات بیان کی ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ
مبارکہ سے لے کر حضرت کعب بن لوی تک حضور نبی اکرم رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
کے آباؤ اجداد کرام سب کے سب دینِ ابراہیمی پر قائم تھے (الحاوی للفتاوی جلد دوم صفحہ نمبر
۲۱۸) جن میں جناب کعب، جناب لوئ، جناب غالب، جناب فہر، جناب مالک، جناب نضر،
جناب کنانہ، جناب خزیمہ، جناب مدرکہ، جناب الیاس، جناب مضر، جناب نزار، جناب معد،
جناب عدنان شامل ہیں چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عدنان تک اپنا سلسلۂ نسب
بیان کرکے فرمایا کہ آگے نسب بیان کرنے والوں نے جھوٹ بولا ہے اس لیے اسی پر اکتفا کیا گیا
ہے۔

جناب فہر بن مالک:

آپ کا نام فہر اور کنیت ابو غالب اور لقب قریش تھا چنانچہ علامہ شیخ محمد رضا مصری لکھتے
ہیں کہ قریشی نسب کی انتہا انہیں پر ہوتی ہے ان سے اوپر جو ہیں وہ قریشی نہیں بلکہ کنانی کہلاتے
ہیں (بعض کے نزدیک) ان کا نام قریش تھا یہ بہت کریم النفس اور فیاض تھے ضرورت مندوں کی خبر

گیری کرتے اور اپنے مال میں سے ان کی حاجت روائی کرتے تھے اور یہی جناب فہر چھٹی پشت میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح کے جدِ اعلیٰ تھے (محمد رسول اللہ صفحہ نمبر ۱۵) آپ اپنے زمانہ میں اہل مکہ اور اردگرد بسنے والے قبائل کے سردار تھے چنانچہ حسان بن عبد الکلال حمیری حاکم یمن یمنی قبائل کا لشکر جرار لے کر مکہ مکرمہ پر حملہ آور ہوا اس کا مقصد یہ تھا کہ کعبہ شریف کو گرا کر اس کے پتھروں کو یمن لیجا کر وہاں انہی پتھروں سے کعبہ تعمیر کرے اور لوگوں کو حکم دے کہ وہ حج کرنے کے لیے بجائے مکہ میں جانے کے یمن میں آئیں اور اس کے تعمیر کردہ کعبہ کے اردگرد طواف کریں اور دیگر مناسک حج ادا کریں لیکن جب قریش کو معلوم ہوا تو جناب فہر نے اپنے بھائیوں اور عزیزوں اور دیگر قبائل کو جمع کیا اور اس سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو گئے ان کی قیادت میں بڑی سخت گھمسان کی جنگ لڑی گئی جس میں حسان حمیری کو شکست ہوئی اور جناب فہر کو شاندار کامیابی اور فتح نصیب ہوئی (کامل ابن اثیر جلد دوم صفحہ نمبر ۱۲ سیرت رسول عربی صفحہ نمبر ۲۸)۔

جناب غالب بن فہر:

ان کا نام غالب اور کنیت ابوتیم ہے کیونکہ ان کے ایک بیٹے کا نام لوئی تھا اور دوسرے بیٹے کا نام تیم تھا۔ بنو تیم قبیلہ کے جدِ اعلیٰ یہی تیم بن غالب تھے آپ اسم بامسمیٰ تھے کہ عقل و دانش مندی، شجاعت و بہادری، قوت فیصلہ اور صائب الرائے ہونے میں اپنے تمام قبیلہ پر غالب تھے آپ سب سے بڑے دانا اور عقلمند شمار کیے جاتے تھے۔ علاقہ حجر کے لوگ بڑے اہم ترین معاملات میں آپ سے مشورہ لیتے تھے اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حامل آپ ہی تھے۔

جناب لوئی بن غالب:

ان کا نام لوئی تھا اور کنیت ابوکعب تھی یہ نہایت حلیم الطبع اور بردبار انسان تھے نیز بڑے صاحب حکمت اور دانا تھے اور بچپن سے حکیمانہ کلام کرتے تھے چنانچہ آپ کے بارے میں لکھا ہے

كان لوئ حليمًا حكيمًا نطق بالحكمة صغيرًا) جناب لوی بڑے حوصلہ بردبار اور بہت دانا انسان تھے بچپن میں حکیمانہ کلام کرتے تھے اور چونکہ آپ دین ابراہیمی پر کاربند تھے اس لیے شرک سے بیزار تھے جیسا کہ جناب مالک بن نضر کے بیان میں امام سیوطی کا قول گزر چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیکر جناب کعب بن مرّہ تک حضور علیہ السلام کے تمام آباؤ اجداد دین ابراہیمی پر قائم تھے۔

حضرت کعب بن لوئ:

حضرت کعب بن لوئی پہلے شخص ہیں جو کہ جمعہ کے دن قریش کو جمع کر کے انہیں وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے اور یہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس دن کا نام جمعہ رکھا تھا ورنہ اس سے پہلے عرب کے لوگ اس کو یوم العروبۃ یعنی عروبہ کا دن کہا کرتے تھے چنانچہ جمعۃ المبارک کے دن قریش ان کے پاس جمع ہوتے تھے اور آپ انہیں خطبہ دیتے تھے جس میں انہیں وعظ و نصیحت کرتے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت وآمد کی خوشخبری سناتے تھے اور انہیں آگاہ کرتے تھے کہ حضرت محمد کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری اولاد میں سے ہونگے اور حضرت کعب لوگوں کو حضور کی اتباع کرنے اوران پر ایمان لانے کی تلقین کرتے تھے اوران کے سامنے حضور کی شان میں چند اشعار سنایا کرتے تھے جن میں سے ایک شعر یہ ہے:

لیتنی شاهدًا فحواء دعوته اذا قريش تبغی الحق خذلانا

کاش میں ان کی دعوت کے وقت موجود ہوتا جب قریش حق کو رسوا کرنا چاہیں گے امام السھیلی نے لکھا کہ یہ روایت علامہ الماوردی نے حضرت کعب سے اپنی کتاب الاعلام میں نقل کی ہے میں کہتا ہوں کہ امام ابونعیم نے اپنی سند کے ساتھ ابوسلمہ بن عبدالرحمان بن عوف سے دلائل النبوۃ میں یہ روایت بیان کی ہے جس کے آخر میں ہے کہ حضرت کعب بن لوئ اور حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے درمیان پانچ سو ساٹھ سالوں کا فاصلہ ہے (الحاوی للفتاوی جلد دوم صفحہ نمبر ۲۱۸)

نیز حضرت کعب بن لوئی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آٹھویں پشت میں جدِ اعلیٰ ہیں۔ (محمد رسول اللہ صفحہ نمبر ۱۵)۔

حضرت مُرّہ بن کعب:

جناب مُرّہ بن کعب حضور اکرم رسول معظم شفیع الامم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چھٹی پشت میں جدِ اعلیٰ ہیں اور اوپر کی پشتوں میں حضرت امام مالک کا سلسلہ نسب حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جناب مُرّہ بن کعب پر جا کر مل جاتا ہے (محمد رسول اللہ صفحہ نمبر ۱۵)۔

جناب کلاب بن مُرّہ:

جناب کلاب بن مُرّہ کا نام حکیم ہے اور بعض نے کہا کہ ان کا نام عروہ ہے (اور کنیت ابو زہرہ ہے) ان کے کلاب کے لقب سے مشہور و معروف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ شکاری کتوں کے ساتھ بہت زیادہ شکار کھیلا کرتے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد محترم حضرت عبداللہ اور آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کا نسب انہی پر جا کر مل جاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جناب کلاب وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے عربی مہینوں کے موجودہ نام رکھے تھے جو آج تک رائج چلے آرہے ہیں (محمد رسول اللہ صفحہ نمبر ۱۴) کلاب نام کی دوسری وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اہل عرب اپنے بیٹوں کے نام درندوں کے ناموں پر کلب، اسد، فہد، ذئب وغیرہ ہم اس لئے رکھتے تھے کہ وہ اپنے دشمنوں کے لیے شیروں، چیتوں اور بھیڑیوں کی طرح بہادر و جنگجو ثابت ہوں (زرقانی علی المواہب جلد اول صفحہ نمبر ۷۴)۔

جناب قُصیّ بن کلاب:

جناب قصی بن کلاب جمعہ کے دن اپنی قوم کو جمع کرتے تھے اور ان کو وعظ و نصیحت کرتے تھے اور ان کو حرم شریف کے احترام کی تلقین کیا کرتے تھے اور انہیں یہ خوشخبری سنایا کرتے

تے کہ تم میں (اللہ تعالیٰ کا آخر الزمان) نبی پیدا ہوگا جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ بنی فہر کے منتشر
قبائل کو مکہ مکرمہ میں جمع کرے گا ابن اسحاق نے اس واقعہ کو بڑا طویل کر کے بیان کیا ہے مختصر یہ
کہ جناب قصی بنی کعب میں سے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عرب میں حکومت قائم کی اور پوری
قوم نے آپ کی اطاعت قبول کر لی اور خانہ کعبہ کی نگرانی، حاجیوں کے پانی کا بندوبست کرنا اور
دارالندوہ میں محفل کا انتظام کرنا اور فتح و نصرت کے جھنڈوں کا مستحق آپ ہی کو قرار دیا گیا اور مکہ
مکرمہ کی تمام شرافتیں اور عزتیں انہی میں جمع تھیں حضرت قصی نہایت حسین و جمیل اور خوبصورت
مرد تھے اور قریش کے بہت بڑے عالم اور حق کے زبردست محافظ تھے (زرقانی علی المواھب جلد
اول صفحہ نمبر ۷۷، ۷۳) جناب قُصی بن کلاب تقریباً ۴۰۰ء میں پیدا ہوئے ان کا اصل نام زید ہے
اور ان کے لقب قصی کے مشہور ہونے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ اپنے والد کی وفات کے بعد
اپنی والدہ کے ساتھ اپنے عزیز و اقارب اور اہل وطن سے دور چلے گئے تھے (قصی کا معنی دور
رہنے والا ہے) کیونکہ ان کی والدہ نے ربیعہ بن حزام سے دوسری شادی کر لی تھی جو انہیں لیکر
اپنے وطن ملک شام میں چلے گئے تھے نیز ان کو مُجَمِّع بھی کہا جاتا ہے اس لیے کہ قبائل قریش
میں باہمی اختلاف برپا ہو گئے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ اور ان کی کوششوں سے دور
فرما کر سب کو متحد و متفق کر دیا تھا چنانچہ آپ نے بعض قبائل کو مکہ مکرمہ کی وادیوں میں آباد کیا اور
بعض کو پہاڑی دروں اور بعض کو پہاڑوں کی چوٹیوں پر آباد کیا اس طرح جناب قصی نے ان کی
آبادیوں کو تقسیم کر دیا اس کارنامہ کی بنا پر ان کا نام مُجَمِّع (جمع کرنے والا) پڑ گیا در حقیقت یہ
ایک بڑا کارنامہ تھا اور بہت فضیلت کی بات تھی جس کی تکمیل کسی بلند حوصلہ، محترم اور معزز ہستی کے
ہاتھوں ہی ہو سکتی تھی ان کے متعلق حذافہ کا ایک شعر ہے:

أَبُوكُمْ قُصَي كَانَ يُدعَى مُجَمِّعًا ۔ بِهِ جَمَعَ اللهُ الْقَبَائِلَ مِنْ فِهْرِ

تمہارے مورث اعلیٰ تمہارے باپ قصی ہیں جنہیں مُجَمِّع کہا جاتا ہے انہیں کے ذریعے اللہ
تعالیٰ نے فہر کے قبائل کو متحد کر دیا۔

وہ قریش میں پہلے شخص تھے جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد کعبہ معظمہ کو از سر نو تعمیر کیا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں بیت اللہ شریف کی کلید برداری، حجاج کرام کے لیے پانی کی فراہمی۔ ان میں لنگر کی تقسیم اور عام مہمانداری کے اہم فرائض ان ہی کے سپرد تھے وہ دارلشورٰی (کمیٹی گھر) کے صدر بھی تھے تمام اہم معاملات کے لیے مشاورتی اجلاس یہیں ہوا کرتے تھے لوگوں کے نکاح بھی یہیں پڑھائے جاتے تھے جنگی اجتماعات بھی یہیں ہوا کرتے تھے خلاصہ یہ ہے کہ ان کا یہ مکان مرکز کی حیثیت رکھتا تھا بلکہ وہ ان تمام مشکلات میں خواہ قومی نوعیت کی ہوتیں یا انفرادی پوری قوم کے ملجا و ماویٰ بنے ہوئے تھے۔ ۴۸۰ء میں اسی سال کی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا ان کا کلام ان کے تجربے اور عقل مندی اور دین داری پر دلالت کرتا ہے جس کے چند نمونے درج ذیل ہیں:

1- جو شخص کسی بد بخت وشقی کا احترام کرتا ہے وہ اس کی شقاوت میں برابر کا شریک اور حصہ دار بن جاتا ہے۔

2- جو شخص کسی برائی کو پسند کرتا ہے وہ اس سے ضرور ہو کر رہتی ہے۔

3- جو شخص استحقاق سے زیادہ کا طالب ہوتا ہے وہ محرومی و ناکامی کا منہ دیکھتا ہے۔

4- جسے عزت راس نہیں آتی اسے ذلت حاصل ہوتی ہے۔

5- حاسد چھپا ہوا دشمن ہے۔

بہر حال اگر انسان اپنے کلام سے پرکھا جاتا ہے تو جناب قُصی کے کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہیں رذائل اور برائیوں سے بہت نفرت تھی آپ بہت دلیر اور بہادر تھے اور حسد و غرور وغیرہ سے بہت متنفر تھے۔ (محمد رسول اللہ صفحہ نمبر ۱۶ تا ۱۷)

جناب عبد مناف بن قُصَی:

ان کا نام مغیرہ تھا اور لقب عبد مناف تھا کیونکہ مناف اِنَافَۃٌ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے بلند ہونا، نمایاں ہونا اور زیادہ ہونا۔ چونکہ عبد مناف اخلاق و سخاوت اور تقوٰی و پاکدامنی میں

سب سے بلند اور ممتاز تھے اس لیے آپ کا لقب عبد مناف مشہور ہو گیا یعنی عظیم الشان بندہ اور شریف و پرہیزگار اور پاکدامن بندہ اور سیرت نبویہ میں ہے آپ کا نام مغیرہ تھا حسن و جمال کی وجہ سے انہیں بطحا کا چاند کہا جاتا تھا ایک پتھر ملا جس پر ان کی تحریر کندہ تھی کہ میں مغیرہ بن قصی ہوں میں قریش کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور میں انہیں رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تلقین کرتا ہوں۔ **وَكَانَ نُوْرُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُضِيْئُ فِيْ وَجْهِهٖ** اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور مبارک ان کے چہرے میں چمکتا تھا ان کے ہاتھ میں حضرت نزار کا جھنڈا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی کمان ہوا کرتی تھی (سیرت نبویہ جلد اول صفحہ نمبر ۲۷) علامہ زرقانی لکھتے ہیں:

وَقَالَ الْوَاقِدِيُّ وَكَانَ فِيْهِ نُوْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور علامہ واقدی نے فرمایا، اور ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک تھا (زرقانی جلد اول صفحہ نمبر ۷۳) نیز بلوغ العرب فی احوال العرب میں ہے کہ آپ کو حسن و جمال کی وجہ سے بطحا کا چاند کہا جاتا تھا اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انہیں ایک پتھر ملا جس پر تحریر تھا کہ میں مغیرہ بن قصی ہوں میں قریش کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور تقویٰ اختیار کرنے اور رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں (**وَكَانَ يُبْغِضُ الْاَصْنَامَ وَكَانَ يَلُوْحُ عَلَيْهِ نُوْرُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ**) اور آپ بتوں کو برا جانتے تھے اور ان سے نفرت کرتے تھے اور آپ کا چہرہ انور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک چمکتا تھا (بلوغ العرب فی احوال العرب جلد دوم صفحہ نمبر ۳۱۴ نیز سیرت رسول عربی نمبر ۳۰) علامہ شیخ محمد رضا مصری لکھتے ہیں کہ آپ کا نام مغیرہ تھا ان کو حسن و جمال کی وجہ سے بطحا کا چاند بھی کہا جاتا تھا ان کی سخاوت کی وجہ سے قریش میں فیاض کے نام سے موسوم تھے آپ چوتھی پشت میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جدِ اعلیٰ تھے (محمد رسول اللہ صفحہ نمبر ۱۷)۔

جناب ہاشم بن عبد مناف:

ان کا نام عمرو بن عبد مناف تھا ان کے بلند مرتبہ ہونے کی وجہ سے انہیں عمرو العلا' کہا جاتا تھا یا اپنے والد عبد مناف کے بعد اپنی قوم کے سردار بنے۔ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں شدید قحط پڑا جس کی وجہ سے قریش شدید فاقوں میں مبتلا ہو گئے اس حالت سے متاثر ہو کر ملک شام تشریف لے گئے اور وہاں سے آٹا اور کیک خرید کر بوریوں میں بھر کر اونٹوں پر لاد کر لے آئے اور یہ سامان زمانۂ حج تک مکہ مکرمہ میں لے آئے پھر روٹیاں تیار کر کے ان کے اور کیک کے ٹکڑے ٹکڑے کرائے اور بہت سے اونٹ ذبح کیے اور گوشت پکا کر ان کے شوربے اور گوشت میں روٹیوں اور کیکوں کے ٹکڑے ملا کر ثرید تیار کیا اور لوگوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا اسی مناسبت سے ان کا نام ہاشم (روٹیوں کا چورہ چورہ کرنے والا) مشہور ہو گیا انہیں ابو البطحٰی اور سید البطحٰی بھی کہا جاتا تھا بطحا وادی کے پانی کے بہاؤ کی جگہ کو کہا جاتا ہے جناب ہاشم کا دسترخوان تنگی و فراخی ہر حال میں وسیع اور عام رہتا تھا یہ دولتمند تھے اور لوگوں کی مدد کیا کرتے اور مصیبت زدہ لوگوں کو پناہ دیتے تھے وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے قریش کے لیے تجارتی سفر کا طریقہ رائج کیا ایک موسم سرما میں اور دوسرا موسم گرما میں چنانچہ قریش موسم سرما میں یمن اور حبشہ کا سفر کرتے اور موسم گرما میں شام کا سفر کرتے تھے ان دونوں سفروں کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ قریش میں آیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ ۰ إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ۰ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ ۰ الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ ۰ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ ۰ (سورۂ قریش آیات ۱تا۵)۔

ترجمہ: چونکہ قریش سردی اور گرمی کے موسم میں تجارتی سفر کے عادی ہو گئے ہیں اس لیے انہیں اس بیت اللہ کے رب کی عبادت کرنی چاہیے جس نے انہیں بھوک میں کھلایا اور ہر قسم کے خوف سے نجات دی۔

جناب ہاشم تجارت کرتے ہوئے ملک شام میں غزہ کے مقام پر ۵۱۰ء میں وفات پا گئے (محمد رسول اللہ صفحہ نمبر ۱۷ تا ۱۸)۔

وَكَانَ نُورُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي وَجْهِهِ يَتَوَقَّدُ شُعَاعُهُ وَيَتَلَأْلَأُ ضِيَاؤُهُ وَلَا يَرَاهُ حِبْرٌ إِلَّا قَبَّلَ يَدَهُ وَلَا يَمُرُّ بِشَيْءٍ إِلَّا سَجَدَ إِلَيْهِ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک ان کے چہرے میں جلوہ گر تھا جس سے نورانی شعاعیں چمکارے مارتی تھیں اور اس کی ضیاء پاشیاں چمکتی تھیں اور ان کو (اہل کتاب کا) جو عالم دیکھ لیتا وہ آپ کے ہاتھ کو چوم لیتا تھا اور آپ جس چیز کے پاس سے گزرنے لگتے تو وہ آپ کو سجدہ کرتی عرب کے قبائل اور اچھے لوگوں کے وفود آپ کے پاس آتے اور اپنی لڑکیوں کے رشتے پیش کرتے اور ان سے نکاح کرنے کی درخواست کرتے یہاں تک کہ روم کے بادشاہ ہرقل نے بھی یہ پیغام بھیجا کہ میری ایک اتنی حسین وجمیل اور خوبصورت بیٹی ہے کہ کسی ماں نے آج تک ایسی بیٹی نہیں جنی ہوگی تم میرے پاس آ کر ٹھہرو تا کہ میں اس کی شادی تمہارے ساتھ کر دوں کیونکہ آپ کے جود وسخا اور کرم نوازیوں کی خبر مجھ تک پہنچ چکی ہے روم کے بادشاہ نے شادی کا ارادہ محض اس لیے کیے تھا کہ وہ اس کے ذریعے نور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل کرنا چاہتا تھا جس کی تعریف ان کے ہاں انجیل میں بیان کی گئی تھی لیکن جناب ہاشم نے صاف انکار کر دیا (زرقانی جلد اول صفحہ نمبر ۷۳) جناب ہاشم ذی الحج کی پہلی تاریخ کو صبح کے وقت کعبہ معظمہ سے پشت لگا کر یوں خطاب کرتے تھے اے قریش کے گروہ! تم خدا کے گھر کے پڑوسی ہو خدا نے بنی اسماعیل میں سے تم کو اس کی تولیت کا شرف بخشا ہے اور تم کو اس کے پڑوس کے لیے خاص کیا ہے خدا کے زائرین تمہارے پاس آ رہے ہیں جو اس گھر کی تعظیم کرتے ہیں پس وہ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں اور اللہ تعالیٰ کے مہمانوں کی میزبانی کا حق سب سے زیادہ تم پر ہے۔ اس لئے تم اللہ تعالیٰ کے مہمانوں اور اس گھر کے زائرین کا اکرام کرو جو ہر شہر سے تیروں جیسی لاغر اور سبک اندام اونٹنیوں

پڑ ژولیدہ مو اور غبار آلود آرہے ہیں اس گھر کے رب کی قسم اگر میرے پاس اس کام کے لیے کافی سرمایہ ہوتا تو میں تمہیں تکلیف نہ دیتا میں اپنے کسب حلال کی کمائی میں سے دے رہا ہوں۔ تم میں سے جو بھی چاہے ایسا کرے میں اس گھر کی حرمت کا واسطہ دیکر گزارش کرتا ہوں کہ جو شخص بیت اللہ شریف کے زائرین کو اپنے مال سے دے وہ صرف حلال کی کمائی میں سے ہو۔ اس تقریر پر قریش اپنے حلال مالوں میں سے دیا کرتے اور دار الندوہ میں جمع کر دیتے۔

حضرت ہاشم کا اصلی نام عمرو تھا بلند مرتبہ کے سبب عمرو العلاء کہلاتے تھے۔ نہایت مہمان نواز تھے، ان کا دستر خوان ہر وقت بچھا رہتا۔ ایک سال قریش میں سخت قحط پڑا یہ ملک شام سے خشک روٹیاں خرید کر ایام حج میں مکہ مکرمہ پہنچے اور روٹیوں کا چورہ کر کے اونٹوں کے گوشت کے شوربے میں ڈال کر ثرید تیار کیا اور لوگوں کو پیٹ بھر کر کھلایا۔ اس دن سے ان کو ہاشم (روٹیوں کا چورہ کرنے والا) کہنے لگے۔

جناب عبد مناف کے صاحبزادوں نے قریش کی تجارت کو بہت ترقی دی اور دوسرے ممالک کے ساتھ تعلقات پیدا کر کے ان سے کاروان قریش کے لیے فرامین حفظ و امن حاصل کیے چنانچہ حضرت ہاشم نے قیصر روم اور غسان کے بادشاہ سے اور عبد الشمس نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی سے اور نوفل نے عراق کے اکاسرہ سے اور مطلب نے یمن کے بادشاہ حمیر سے اسی قسم کے فرمان لکھوا لیے۔ اس لیے قریش موسم سرما میں یمن و حبشہ میں اور موسم گرما میں عراق و شام میں جاتے تھے اور ایشیائے کوچک کے مشہور شہر انقرہ (انگورہ) تک پہنچ جاتے تھے۔

جناب ہاشم کی پیشانی میں نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم چمکتا رہتا تھا۔ احبار (اہل کتاب کے علماء) میں سے جو آپ کو دیکھتا آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیتا۔ قبائل عرب اور احبار کی طرف سے آپ کو شادی کے پیغام آتے مگر آپ انکار کر دیتے۔ ایک دفعہ بغرض تجارت آپ ملک شام کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں مدینہ منورہ میں بنو عدی بن نجار میں سے ایک شخص عمرو بن زید بن لبید خزرجی کے ہاں ٹھہرے اس کی صاحبزادی سلمیٰ حسن و جمال اور شرافت و نجابت میں اپنی قوم کی تمام

ورتوں میں ممتاز و منفرد تھیں آپ نے اس سے شادی کر لی مگر عمرو بن زید نے جناب ھاشم سے عہد لیا کہ سلمیٰ جو اولاد جنے گی وہ اپنے میکے میں جنے گی شادی کے بعد جناب ھاشم ملک شام کو چلے گئے جب واپس آئے تو سلمیٰ کو اپنے ساتھ مکہ مکرمہ میں لے آئے جب حمل کے آثار محسوس ہوئے تو سلمیٰ کو حسب وعدہ مدینہ منورہ میں چھوڑ کر آپ ملک شام کو روانہ ہو گئے اور وہیں غزہ کے مقام پر پچیس سال کی عمر میں انتقال کر گئے اور غزہ ہی میں دفن ہوئے (سیرت رسول عربی صفحہ نمبر ۳۱ تا ۳۳)

حضرت عبدالمطلب بن حضرت ھاشم:

حضرت ھاشم کی بیوی سلمیٰ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کے سر میں کچھ سفید بال تھے اس لئے اس کا نام شیبہ رکھا گیا اور شیبۃ الحمد بھی کہتے تھے حمد کی نسبت اس کی طرف اس امید پر کی گئی کہ اس سے نیک افعال سرزد ہوں گے جس کے سبب سے لوگ اس کی تعریف کیا کریں گے جناب شیبہ سات یا آٹھ سال مدینہ منورہ ہی میں رہے پھر مطلب بن عبد مناف کو خبر لگی تو اپنے اس بھتیجے کو لینے کیلئے مدینہ منورہ میں پہنچے جب آپ مدینہ منورہ سے واپس آئے تو جناب شیبہ کو اپنے پیچھے اونٹ پر سوار کر لیا۔ جناب شیبہ کے کپڑے پھٹے پرانے تھے جب چاشت کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو لوگوں نے مطلب سے پوچھا کہ یہ لڑکا کون ہے؟ مطلب نے جواب میں کہا یہ میرا عبد (یعنی غلام) ہے اس وجہ سے جناب شیبہ، عبدالمطلب کہنے لگے وجہ تسمیہ میں بعضوں نے اور اقوال بھی نقل کئے ہیں۔ مطلب کے بعد اہل مکہ کی ریاست حضرت عبدالمطلب کو ملی اور (حاجیوں کی میزبانی کا منصب) رفادت اور (حاجیوں کو آب زم زم پلانے کا منصب) سقایت انہی کے حوالے ہوا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور مبارک حضرت عبدالمطلب کی پیشانی میں چمکتا رہتا تھا ان سے کستوری کی خوشبو آتی تھی جب قریش کو کوئی حادثہ پیش آتا تو حضرت عبدالمطلب کو کوہ ثبیر پر لیجاتے اور ان کے وسیلے سے بارگاہ رب العزت میں دعا مانگتے۔ اور ایام قحط

میں ان کے واسطے سے طلب باراں کرتے اور وہ دعا قبول ہوتی حضرت عبدالمطلب پہلے شخص ہیں جو تحنث (عبادت) کیا کرتے تھے یعنی ہر سال ماہِ رمضان میں غارِ حرا میں جا کر اللہ تعالیٰ کی یاد میں گوشہ نشین رہا کرتے وہ موحد تھے، شراب و زنا کو حرام جانتے تھے۔ نکاح محارم سے اور بحالت برہنگی طواف کعبہ سے منع کرتے، لڑکیوں کے قتل سے روکتے، چور کا ہاتھ کاٹ دیتے، بڑے مجاب الدعوات اور فیاض تھے۔ اپنے دستر خوان سے پہاڑیوں کی چوٹیوں پر پرند چرند کو کھلایا کرتے تھے۔ اسلئے لوگ انہیں **مُطْعِمُ الطَّیرِ** (پرندوں کو کھلانے والے) کہتے تھے۔ یہ سب کچھ نور محمدی ﷺ کی برکت سے تھا (سیرت رسول عربی صفحہ نمبر ۳۳ تا ۳۴)۔

حضرت عبدالمطلب ' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم تھے چنانچہ امام فخر الدین رازی نے علامہ قفال کے حوالے سے لکھا ہے۔

اِنَّهُ لَمْ یَزَلْ فِیْ ذُرِّیَتِهِمَا مَنْ یَعْبُدُاللّٰهَ وَحْدَهٗ وَ لَا یُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا وَ لَمْ تَزَلِ الرُّسُلُ مِنْ ذُرِّیَّةِ اِبْرَاهِیْمَ وَ قَدْ كَانَ فِی الْجَاهِلِیَّةِ زَیْدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ نُفَیْلٍ وَ قُسُّ بْنُ سَاعِدَةَ وَیُقَالُ عَبْدُالْمُطَّلِبِ بْنُ هَاشِمٍ جَدُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ وَ عَامِرُ بْنُ ظَرْبٍ كَانُوْا عَلٰی دِیْنِ الْاِسْلَامِ یَقِرُّوْنَ بِالْاَبْدَاءِ وَالْاَعَادَةِ وَالثَّوَابِ وَالْعِقَابِ یُوَحِّدُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰی وَ لَا یَأْكُلُوْنَ الْمَیْتَةَ وَ لَا یَعْبُدُوْنَ الْاَوْثَانَ۔ (تفسیر کبیر جلد اول صفحہ نمبر ۴۸۱) دار الفکر بیروت) بے شک حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ایسے لوگ ہمیشہ رہے جو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی عبادت کرتے تھے اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے بہت سے رسول دنیا میں تشریف لائے تھے اور زمانۂ جاہلیت میں جناب زید بن عمرو بن نفیل اور قس بن ساعدہ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جدِ امجد جناب عبد المطلب بن ھاشم اور عامر بن ظرب سب دینِ اسلام پر قائم تھے جو مبدا و معاد، حشر و نشر اور

ثواب وعذاب کا اقرار کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو واحد لاشریک مانتے تھے اور مردار نہیں کھاتے تھے اور بتوں کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ جناب عبدالمطلب عوام وخواص میں مقبول وہر دل عزیز تھے ان کی طرف سے پرندوں کو باہم غذا پہنچانے اور بے زبان حیوانات پر رحم کرنے کی بناء پر قوم کی طرف سے انہیں مُطعِمُ الطَّیر اور فیاض کے لقب سے نوازا گیا اور وہ مصائب وآلام میں قریش کے کام آتے اور حوادثات ومشکلات میں ان کا ملجا وماویٰ بنے رہتے تھے وہ قریش میں معزز اور ہیرو مانے جاتے تھے وہ پہلے شخص تھے جو غار حرا میں جا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے وہ اپنی اولاد کو ظلم وستم اور فتنہ وشر سے باز رہنے کا حکم دیتے تھے حسن اخلاق کی ترغیب دیتے اور ذلیل کاموں سے روکتے تھے ان کی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) سال یا اس سے کچھ زائد تھی، سفید رنگ، خوبرو اور دراز قامت انسان تھے ان کی پیشانی میں نور نبوت اور ملکی عزت ووقار جھلکتا تھا۔

حضرت عبدالمطلب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت کرتے ان کی قدر ومنزلت بڑھاتے تھے حالانکہ حضور ابھی کمسن ہی تھے آپ فرمایا کرتے تھے کہ میرا یہ فرزند بڑی شان ومرتبہ والا ہوگا اور آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت باسعادت سے پہلے اور بعد آپ کے متعلق نجومیوں کی پیش گوئیوں اور یہود وعیسائی راہبوں کی اطلاعات کی بناء پر ایسا فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عبدالمطلب کے دس صاحبزادے تھے جن کے نام یہ ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ (۲) جناب ابو طالب ان کا نام عبد مناف تھا (۳) جناب زبیر ان تینوں کی والدہ فاطمہ بنت عمرو مخزومیہ تھیں (۴) حضرت عباس جو خلفائے عباسیین کے مورث اعلیٰ تھے (۵) ضرار۔ ان دونوں کی والدہ نتیلہ عمریہ تھیں (۶) حضرت امیر حمزہ اور (۷) مقوم ان دونوں کی والدہ ھالہ بنت وھب تھیں (۸) ابولھب جس کا نام عبدالعزیٰ تھا اس کی والدہ کا نام لبنیٰ خزاعیہ تھا (۹) حارث یہ حضرت عبدالمطلب کے سب سے بڑے فرزند تھے انہیں کے نام پر حضرت عبدالمطلب کی کنیت ابو حارث تھی ان کی والدہ صفیہ تھیں جن کا تعلق بنو عامر صعصعہ سے تھا (۱۰) غیداق۔ اس کا نام حجل اور والدہ کا نام ممنعہ تھا۔

حضرت عبدالمطلب کی چھے صاحبزادیاں تھیں۔

(۱) حضرت صفیہ (۲) ام حکیم بیضا ے (۳) عاتکہ (۴) امیمہ (۵) اروی (۶) برۂ وحضرت عبد المطلب سے ایسے بہت سے بڑے حکیمانہ اقوال منقول ہیں جن کو بعد میں قرآن واحادیث میں بھی بیان کیا گیا ہے مثلاً نذر کو پورا کرنا محرم سے نکاح کی ممانعت، چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم، اولاد کو زندہ درگور کرنے کی ممانعت، شراب وزنا کی حرمت اوران پر حد کا نفاذ، برہنہ ہو کر بیت اللہ کے طواف کی ممانعت، حرام مہینوں (یعنی شوال تا محرم) کی عظمت واحترام باقی رکھنا، حضرت عبد المطلب وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے مقتول کے قصاص میں سو اونٹوں کے خون بہا کا طریقہ رائج کیا تھا پہلے یہ سلسلہ قریش میں جاری ہوا پھر یہ دوسرے عربوں میں بھی رائج ہو گیا بعد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اس خون بہا کو شریعت میں برقرار رکھا (محمد رسول اللہ صفحہ نمبر ۱۹ تا ۲۰)۔

جناب کعب احبار سے روایت ہے کہ جب نور محمدیؐ جناب عبدالمطلب کی طرف منتقل ہوا اور انہوں نے جان لیا تو ایک دن حجر میں سو گئے جب وہ بیدار ہوئے تو ان کی آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا تھا اور بالوں میں تیل لگا ہوا تھا اور نہایت خوبصورت اور عمدہ نفیس ترین لباس میں ملبوس تھے وہ حیران ہو گئے کہ یہ سب کچھ کس نے کیا چنانچہ ان کے والد انہیں لے کر قریش کے کاہنوں کے پاس پہنچے انہوں نے مشورہ دیا کہ ان کا نکاح کر دیا جائے چنانچہ حضرت عبدالمطلب کا نکاح کر دیا گیا۔ ان کے جسم مبارک سے خالص کستوری کی خوشبو مہکتی تھی **وَ نُوْرُ رَسُوْلِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّم یُضِیْ‌ءُ فِیْ غُرَّتِهٖ وَ کَانَتْ قُرَیْشُ اِذَا اَصَابَهَا قَحْطٌ شَدِیْدٌ تَأْخُذُ بِیَدِهٖ فَتَخْرُجُ بِهٖ اِلٰی جَبَلِ ثَبِیْرٍ فَیَتَقَرَّبُوْنَ بِهٖ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی وَ یَسْئَلُوْنَهٗ اَنْ یَّسْقِیَهُمُ الْغَیْثَ فَکَانَ یُغِیْثُهُمْ وَ یَسْقِیْهِمْ بِبَرَکَةِ نُوْرِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ۔** اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک حضرت عبد المطلب کی پیشانی میں چمکتا تھا اور جب قریش کے ہاں سخت قحط سالی پڑتی تھی تو وہ حضرت

المطلب کا ہاتھ پکڑ کر کوہ شبیر کی طرف نکل جاتے وہاں جا کر ان کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کا
ب حاصل کرتے اور اس سے دعا کرتے ہوئے سوال کرتے کہ وہ انہیں بارانِ رحمت سے
راب کر دے چنانچہ اللہ تعالیٰ انہیں بارش عطا فرماتا اور نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کی وجہ
ے انہیں بارش سے سیراب کر دیتا تھا پھر جب یمن کا بادشاہ ابرہہ خانہ کعبہ کو گرانے کے لیے آیا
ر قریش کو معلوم ہوا تو حضرت عبدالمطلب نے ان سے کہا کہ چونکہ اس گھر کا مالک خود اس کی
ظت فرمائے گا اس لیے اس کی رسائی اس گھر تک نہیں ہو سکے گی پھر ابرہہ قریش کے اونٹ اور
ن کی بکریاں ہانک کر لے گیا ان میں حضرت عبدالمطلب کے چار سو اونٹ بھی شامل تھے پھر
حضرت عبدالمطلب سوار ہو کر قریش کے ساتھ کوہ شبیر پر چڑھ گئے اور رسول خدا ﷺ کا نور مبارک چاند کی
رح ان کی پیشانی میں چمکا اور اس کی کرنیں بیت اللہ شریف پر پڑیں حضرت عبدالمطلب نے
ب یہ کیفیت دیکھی تو فرمایا اے قریش کی جماعت اب تم بے خوف ہو کر واپس لوٹ جاؤ کیونکہ یہ
اقعہ تمہیں کفایت کریگا پس اللہ تعالیٰ کی قسم یہ نور مبارک جب بھی ظہور پذیر ہوا ہے تو فتح و کامیابی
ارا مقدر ہوئی ہے چنانچہ تمام لوگ متفرق ہو کر اپنے گھروں کو لوٹ گئے پھر ابرہہ نے اپنا ایک
دی بھیجا جب وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوا اور اس نے حضرت عبدالمطلب کے چہرے کو دیکھا تو
گھبرا گیا اور اس کی زبان لڑکھڑا گئی اور بے ہوش ہو کر گر پڑا اور یوں ڈکارنے لگا جس طرح بیل
بح ہوتے وقت ڈکارتا ہے جب ہوش میں آیا تو حضرت عبدالمطلب کے سامنے سجدہ میں گر پڑا
ور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ قریش کے واقعی سچے سردار ہو اور ایک روایت میں یہ
بھی آیا ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب ابرہہ کے پاس تشریف لے گئے تو سب سے بڑے سفید
ہاتھی نے آپ کے چہرۂ نور پر نگاہ ڈالی اور اونٹ کی طرح بیٹھ گیا اور سجدہ میں گر پڑا پھر اللہ تعالیٰ
نے اس کو گویائی عطا فرمادی تو کہنے لگا **اَلسَّلَامُ عَلٰی نُوْرِ الَّذِیْ فِیْ ظَهْرِكَ يَا**
عَبْدَ الْمُطَّلِبِ اے عبدالمطلب اس نور مبارک پر میری طرف سے سلام ہو جو تمہاری پشت
میں جلوہ گر ہے (انوار محمدیہ من مواہب لدنیہ نمبر ۱۸ تا ۱۹) آپ موحد و خدا پرست تھے۔ روزِ جزا اور

قیامت کے قائل تھے۔ مستجاب الدعوات اور صاحب یمن و برکت تھے۔ اصحاب فیل کے حملہ کے وقت خانہ کعبہ میں جا کر خالصاً خدائے تعالیٰ سے دعا مانگی اور بتوں سے التجا نہیں کی۔ اپنے لاڈلے بیٹے (حضرت) عبداللہ کے عوض سو اونٹ خالصاً خدا کے نام پر قربان کیے۔ اسی طرح سنی میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گم ہونے پر خانہ کعبہ میں جا کر خدائے تعالیٰ سے دعائیں کیں اور پا لینے پر بہت سا سونا اور بے شمار اونٹ صدقہ میں دیئے اور اس سے پیشتر آپ کی ولادت پر بھی آپ کو گود میں اٹھا کر خانہ کعبہ میں لے گئے اور خدائے تعالیٰ سے آپ کے لیے دعائیں کیں اور خدا کا شکر ادا کیا۔ یہ سب امور ان کی توحید پرستی کے دلائل ہیں۔ (سیرت المصطفیٰ کامل صفحہ نمبر ۱۲۳)

غیر مقلد عالم محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے سیرت المصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حضرت عبدالمطلب کے ایمان کے خلاف کیے گئے دو اعتراضات اور ان کے جوابات کا ذکر کیا ہے جن کا حضرت عبدالمطلب کے اس تعارف میں بیان کرنا بہت ضروری ہے چنانچہ میر صاحب لکھتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جدِ امجد حضرت عبدالمطلب کے متعلق ہے کہ مسند امام احمد وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خاتون جنت حضرت فاطمہؓ سے ایک ذکر کے سلسلہ میں فرمایا تھا کہ اگر تو ان کے ساتھ قبرستان میں جاتی تو جنت کو نہ دیکھتی جب تک تیرے باپ کا دادا جنت نہ دیکھتا (مختصراً) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالمطلب کا خاتمہ اسلام پر نہیں ہوا سو اس کا جواب دو طریق پر ہے اول معنی و مفہوم کے اعتبار سے یوں ہے کہ اگر اس حدیث کو صحیح سمجھا جائے تو یہ عبدالمطلب کے جنتی ہونے کی دلیل ہے نہ کہ معاذ اللہ...... ہونے کی اس توضیح اس طرح ہے کہ خاتون جنتؓ نے (معاذ اللہ) کوئی ایسا گناہ تو کیا نہیں تھا۔ جس سے کلی طور پر جنت سے محرومی لازم آوے حقیقت صرف اس قدر ہے کہ حضرت خاتون جنت ایک خانہ کے ہاں ماتم پرسی کے لیے گئی تھیں۔ آنحضرتؐ نے دریافت کیا کہ بیٹی تو ان کے ساتھ قبرستان میں تو نہ گئی تھی؟ حضرت فاطمہ نے عرض کیا نہیں (ابا جان) اس

دا کی پناہ۔ جب میں نے آپ سے سنا ہوا ہے کہ آپ اس کی نسبت ایسا ایسا فرماتے ہیں تو
س طرح جا سکتی تھی۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ اگر تو ان کے ساتھ قبرستان تک چلی جاتی تو
نہ دیکھتی جب تک تیرے باپ کا دادا جنت نہ دیکھتا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ فرضی گناہ
نا ہو سکتا ہے کہ چونکہ ابتدائے اسلام میں عورتوں کو قبرستان میں جانے کی ممانعت تھی اس
اگر حضرت خاتون جنت قبرستان میں چلی جاتیں تو بس (معاذ اللہ) اسی قدر گناہ گار ہو سکتی
ں کہ وہ باوجود ممانعت کے قبرستان میں کیوں گئیں؟ اور یہ معلوم ہے کہ یہ گناہ کفر نہیں ہے اور
بھی نہیں ہے کہ اس سے ہمیشہ کے لیے جنت سے محرومی لازم آوے اگر بالفرض یہ گناہ
وں سے بخشا بھی نہ جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ جنت میں سابقین اولین کے ساتھ جانا
ں ہوگا ذرا بعد کو ہو جائے گا پس جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پڑپوتی اور پڑدادا کے
کو برابر رکھتے ہیں اور معلوم ہے کہ حضرت فاطمہ مومنہ صالحہ، عابدہ، صوامہ، قوامہ ہیں اور آپ
قطعی جنتی ہونا کیا۔ آپ کا حضرت مریم علیہا السلام سمیت سب خواتین جنت کی سردار ہونا صحیح
دیث سے ثابت ہے، تو اس فرضی گناہ کی وجہ سے سابقین اولین کے ساتھ نہ سہی ان کے بعد
ے جنت میں چلی جائیں گے یہ نہیں کہ ہمیشہ کے لیے جنت سے محروم رہیں گی اسی طرح
ضرت عبدالمطلب بھی سابقین اولین کے ساتھ جنت میں نہیں جائیں گے بلکہ وقفہ ڈال کر بعد کو
لے جائیں گے کیونکہ آپ اہل فترت سے ہیں۔ جن کا امتحان سابقین کے داخل جنت ہو جانے
کے بعد ہوگا (جیسا کہ خاتم الحفاظ حافظ ابن حجر کا مذہب ہے کہ قیامت کے دن آنحضرت صلی
للہ علیہ کے جدّ امجد اور والد ماجد اور والدہ مکرمہ کا امتحان ہوگا اور وہ ایمان لائیں گے اور داخل
جنت ہونگے اور سلسلۂ اسناد کے لحاظ سے جواب یوں ہے کہ اس حدیث کو امام احمدؒ کے علاوہ امام
ابوداؤد اور امام بیہقی نے بھی یہ روایت کیا ہے اور سب کے سلسلۂ اسناد میں ربیعہ بن سیف
معافری راوی ہے، عون المعبود نے شرح سنن ابی داؤد میں امام منذری سے نقل کر کے لکھا ہے۔

فیہ مقالٌ (صفحہ ج 3) یعنی اس کی بابت محدثین کو کلام ہے۔

اس مقال کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے کہ امام نسائیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے اور امام بخاری نے کہا ہے کہ یہ ایسی احادیث روایت کرتا ہے جن کی متابعت نہیں کی گئی اور اس کی بہت سی احادیث منکر ہیں (شرح مسند امام احمد جلد ہشتم صفحہ نمبر ۲۲) خلاصہ میں ہے کہ ابوداؤد اور نسائی میں اس کی صرف ایک ہی حدیث ہے جو منکر و غریب ہے (تہذیب التھذیب میں ہے کہ وہ منکر روایت یہی ہے جس کا ذکر ہو رہا ہے) نیز خلاصہ میں ہے کہ ترمذی میں بھی عبداللہ بن عمرو کی روایت سے ایک ہی حدیث ہے جو منکر ہے،، نیز خلاصہ میں ہے کہ امام بخاری نے کہا اس کی کئی احادیث منکر ہیں۔

امام ذہبی جو نقد رجال کے ماہر کامل ہیں میزان میں اس (راوی ربیعہ بن سیف) کا ذکر کر کے خاص اسی حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ حافظ عبدالحق ازدی نے یہ حدیث سن کر کہا کہ وہ (ربیعہ بن سیف) ضعیف الحدیث ہے اس کی روایات منکر ہیں اور امام ابن حبان نے کہا کہ اس روایت پر ربیعہ کی متابعت نہیں ہوئی (یعنی کوئی دیگر راوی اس کی تائید نہیں کرتا اور وہ اکیلا حجت نہیں ہے) اس کی احادیث میں منکر روایات بھی ہیں (میزان جلد اول صفحہ نمبر 298 مطبوعہ ہند) میرے معزز ناظرین! اس راوی ربیعہ بن سیف اور اس کی اس روایت کی بابت محدثین کی تصریحات آپ کے سامنے ہیں اور حضرت عبدالمطلب کی عظمت و جلالت اور درگاہ ایزدی میں انابت و استجابت اور مخلوقِ خدا پر شفقت و سخاوت اور بت پرستی اور منکرات سے اجتناب اور اپنی اولاد کی تربیت ملت ابراہیمی کے اصول پر کرنا بھی آپ صفحات سابقہ میں ملاحظہ کر چکے ہیں کیا آپ کا ضمیر یہ شہادت دے سکتا ہے کہ ایسے جلیل القدر شخص کی نسبت ایسی رائے کہ معاذ اللہ وہ جنت سے محروم ہے۔ درست ہے۔ دیگر یہ کہ محدثین کی موافقت میں یہ کہنا کہ اس راوی نے خطا کی آسان ہے اور یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد کی بخشش نہیں ہوگی۔ حالانکہ بت پرستی سے ان کا پرہیز اور خالص خدائے تعالیٰ سے التجا و دعا ثابت ہے۔ بہت بھاری امر ہے۔

2- حضرت عبدالمطلب کے متعلق دوسری خلافی روایت یہ ہے کہ صحیح بخاری میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کے پاس اس کی موت کے وقت گئے اور وہاں ابوجہل اور ابن ابی امیہ بھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا چچا جان! کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار کیجئے میں خدا کے ہاں آپ کے لیے اس کی شہادت (گواہی) دونگا۔ ابو جہل نے کہا کیا تو عبدالمطلب کے مذہب سے بیزار ہو جائے گا۔ ابو طالب نے کہا میں عبدالمطلب کے مذہب پر ہوں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالمطلب بھی شرک کی حالت میں فوت ہوا۔

امام سیوطیؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی رو سے بالخصوص عبدالمطلب کے متعلق ایمان کو ترجیح دینا بہت مشکل ہے، تاویل قریب ہو نہیں سکتی اور تاویل بعید کو اہل اصول تسلیم نہیں کرتے (مسالک صفحہ نمبر 39)

یہ عاجز کہتا ہے اس کا جواب مشکل نہیں۔ آسان ہے، نہ تاویل کی ضرورت ہے نہ حدیث کی صحت میں کلام ہے اس کی توضیح یوں ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب کے متعلق حسب تصریحات سابقہ معلوم ہو چکا ہے کہ آپ ملت ابراہیمی پر تھے اور ساری عمر میں نہ تو ان کے متعلق بت کو سجدہ کرنے یا اس کے گرد طواف کرنے کی کوئی روایت ہے اور نہ کسی بت کی نذر گزارنے یا اس سے دعا و التجا کرنے کا ثبوت ہے بلکہ اس کے برخلاف خالصاً خدائے تعالیٰ سے دعا کرنے اور اس کے نام کی قربانی کرنے اور سنن ابراہیم علیہ السلام کو قائم کرنے اور اپنی اولاد کو اسی کی ہدایت و تعلیم کرنے کی تصریحات موجود ہیں اس لیے ان کو مشرک کہنے کی کوئی صورت نہیں بلکہ ہم تو یہ بھی کہنے کو تیار ہیں کہ جناب ابو طالب کی نسبت بھی بت پرستی کا کوئی ثبوت نہیں جب کہ اس کے توحیدی اشعار سے توحید ثابت ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ ابو طالب کو دعوت نبوت پہنچ چکی ہے اور وقت کے نبی ﷺ بالمشافہ ان کو دعوت دے رہے ہیں اور وہ دعوت کو قبول نہیں کرتا تو وہ کافر ہوا نہ کہ مشرک۔ لیکن اس کے مقابلہ میں حضرت عبدالمطلب نے تو دعوت کا زمانہ ہی نہیں پایا۔ لہٰذا نہ آپ ان کو کافر کہہ سکتے ہیں نہ مشرک شاید آپ جلدی سے یہ کہہ دیں کہ آنحضرت ﷺ ابو طالب کے سامنے بھی تو صرف کلمہ توحید ہی پیش کر رہے ہیں اور وہ اس کا اقرار نہیں کرتا ہے کہ اَنَا عَلٰی مِلَّۃِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ یعنی میں عبدالمطلب کی ملت پر ہوں۔

تو معلوم ہوا کہ عبد المطلب بھی توحید کے قائل نہیں تھے سو اس کا جواب یہ ہے کہ ابو طالب کے کلمہ **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ** کے کہنے اور عبد المطلب کے **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ** کہنے میں اجمال اور تفصیل کا فرق ہے دعوتِ رسول کے نہ پہنچنے کی صورت میں صرف توحید کا اقرار نجات کے لیے کافی ہے اور اس میں کسی امامِ سنت کو اختلاف نہیں۔ حضرت عبد المطلب کے وقت دعوتِ رسالت بالکل نہیں تھی (حضرت عبد المطلب حضور علیہ السلام کی آٹھ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے تھے جبکہ حضور نے چالیس سال کی عمر مبارک کے بعد اعلانِ نبوت فرما کر دعوتِ رسالت کا آغاز فرمایا اس طرح حضرت عبد المطلب تو دعوتِ رسالت سے بتیس ۳۲ سال پہلے انتقال فرما گئے تھے) اس لیے حضرت عبد المطلب کے لیے **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ** کا اقرار مجملاً بھی کافی تھا (کہ اس وقت نجات کے لیے صرف اقرارِ توحید کافی تھا) لیکن جناب ابو طالب کو خود صاحب دعوتِ رسول، دعوتِ کلمۂ توحید دے رہے ہیں تو اپنی نبوت و رسالت پر ایمان لانے کو حذف و ساقط کر کے نہیں دے رہے بلکہ ایمانِ تفصیلی کی دعوت دے رہے ہیں جیسا کہ صحیح بخاری میں وفد عبد القیس والی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم جانتے ہو کہ ایمان **بِاللّٰہِ** کیا ہے؟ اس کے بعد خود ارشاد فرمایا کہ ایمان **بِاللّٰہِ** یہ ہے کہ تم خدا تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کی رسالت کا اقرار کرو، نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور ماہِ رمضان کے روزے رکھو الحدیث (کتاب الایمان) اسی طرح حدیث جبرائیل علیہ السلام میں بھی ایمان کے معنی یہی بیان کیے ہیں اور یہ سب معنی تفصیلی ایمان کے ہیں اگر آپ حضرت عبد المطلب اور ابو طالب کے **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ** کے اجمال اور تفصیل کا فرق نہیں کرتے تو کیا آپ اس بات کو جائز جانتے ہیں کہ اگر بالفرض ابو طالب بغیر تصدیق رسالت کے کلمہ **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ** کہہ دیتا تو اس کا یہ ایمان موجب نجات ہو جاتا؟ تو آپ کو سکھوں اور آریوں کو کافر کہنے میں بہت مشکل پیش آئے گی جو بغیر اقرار رسالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے توحید الٰہی کے قائل ہیں پس ماننا پڑے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابو طالب کو جو کلمہ **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ** کہنے کے لیے فرما رہے ہیں وہ مع اقرار و

الت کے فرمارہے ہیں جو تمام تفصیلات ایمان پر مشتمل ہے اور ابو طالب نے جو کہا کہ میں عبد
طلب کی ملت پر ہوں تو اس نے رسالت پر ایمان لانے کے سوا صرف اجمالی ایمان کو کافی جانا۔
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بالمشافہ دعوت کے وقت کافی نہیں تھا۔ پس ابو طالب رسالت کا
ہوا جس کی وجہ سے (افسوس) اس کی مغفرت نہ ہوئی لیکن جناب عبد المطلب کو دعوت نہیں
تو اس کا حساب محض توحید کے اقرار کا ہوگا۔ اگر پایا گیا تو اس کی نجات ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔
کہ توحید کا اقرار فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے اور تمام کائنات ارضی وسماوی اس کی شہادت
رہی ہے اور ایمان بالرسالت سماعت پر موقوف ہے جب سماعت نہیں ہوئی تو اس کا حساب
بھی نہیں ہوگا۔ اور بار بار کہتے ہیں کہ حضرت عبد المطلب کے موحد ہونے کے خلاف کوئی دلیل
اور وجہ موجہ نہیں ہے (سیرت المصطفیٰ کامل صفحہ نمبر ۱۶۱ تا ۱۳۱)

(۳) حضرت عبداللہ بن عبد المطلب

تلف بیویوں سے (حضرت) عبد المطلب کے دس بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں آنحضرت کے والد
حضرت) عبداللہ، ابو طالب، زبیر اور عبد الکعبہ یہ چار بیٹے اور حضرت صفیہ کے سوا دیگر سب
بیاں ایک ہی ماں فاطمہ بنت عمرو مخزومیہ سے تھے جن کا نسب نامہ (حضرت) عبد المطلب سے
پانچویں پشت میں جناب مرہ بن کعب پر جاملتا ہے (حضرت) عبداللہ اپنی ماں کے سب سے
چھوٹے بیٹے تھے اور (حضرت) عبد المطلب کو سب سے زیادہ پیارے تھے یہ پیار ایک قدرتی
کشش کے ماتحت تھا اور اس کا مرکز وہ مبارک نور تھا جو اوپر کے آباؤ اجداد اسے منتقل ہو کر
(حضرت) عبداللہ کی مبارک پیشانی میں چمکتا تھا۔ علامہ محمود شکر اپنی مایہ ناز کتاب "بلوغ الارب
فی احوال العرب" میں (جناب) عبد مناف کے ذکر میں فرماتے ہیں:

(حضرت) عبد مناف کو اس حسن وجمال کی وجہ سے **قمر البطحا** (سنگستان مکہ کی وادی کا
چاند) کہتے تھے آپ بتوں کو برا جانتے تھے اور آپ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک
ظاہر و آشکارا تھا۔ اسی طرح (حضرت) عبد مناف کے بیٹے (حضرت) ھاشم کے بیان میں

فرماتے ہیں:

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک ان کے چہرے میں موتی کی طرح چمکتا تھا ان کو جو شخص دیکھتا ان کے ہاتھ چوم لیتا اور وہ جس شے کے پاس سے گزرتے وہ شے ان کو سجدہ کرتی۔ اس طرح (حضرت) حاشم کے سپوت (حضرت) عبدالمطلب کی بابت لکھتے ہیں **وَکَانَ مُجَابَ الدَّعْوَۃِ** (صفحہ ۳۳۵ جلد اول) یعنی آپ مستجاب الدعوات تھے اور دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔ اور حضرت عبدالمطلب کے چہرے پر نور مبارک موتی کی طرح چمکتا تھا اور اس کے چہرے کے خدوخال سے پھوٹ پھوٹ کر ظاھر ہوتا تھا (صفحہ ۳۱۲ جلد ۱۲ احوال کعب بن لوی) اسی طرح خود (حضرت) عبداللہ بھی نور کے پتلے اور حسن جمال کے مجسمے تھے۔ مؤرخ و محدث علامہ ابن جریر طبریؒ امام زھریؒ سے نقل کر کے لکھتے ہیں۔ **اِنَّ عَبْدَاللّٰہِ بْنَ الْمُطَّلِبِ کَانَ أَجْمَلَ رِجَالِ قُرَیْشٍ** (جلد ۲ صفحہ نمبر ۱۷۶)

یعنی (حضرت) عبداللہ بن عبدالمطلب قریشیوں میں سب سے زیادہ صاحب حسن و جمال تھے اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ حضرت عبداللہ کا یہ نور مبارک موروثی تھا اسی وجہ سے جو کوئی آپ کی طرف دیکھتا آپ آنکھوں کے راستے اس کے دل میں اُتر جاتے (سیرت المصطفے کامل صفحہ ۱۰۱، ۱۰۲)

علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب نے خواب میں دیکھا تھا کہ کوئی مجھے پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ چاہِ زمزم کو کھودو اور اس کی جگہ کی نشاندہی بھی کر دی گئی جب وہ کھودنے لگے قریش نے مخالفت کی (اور یہ ان کے مقابلہ سے قاصر تھے) کیونکہ ان کا اس وقت معاون و مددگار اگر کوئی تھا تو ان کا اکلوتا بیٹا حارث تھا اس پر انہوں نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے دس بیٹے عطا فرمائے اور وہ اس عمر کو پہنچیں کہ میری مدد و اعانت کر سکیں تو میں ان میں سے کسی ایک بیٹے کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں کعبہ مبارکہ کے پاس ذبح کروں گا جب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دس بیٹے پیدا ہو کر جوان ہو گئے اور جناب عبدالمطلب کو ان کی قوت اور بازو پر اعتماد و اطمینان ہو گیا تو آپ نے

نے سب بیٹوں کو بلا کر اپنی نذر سے آگاہ کیا۔ سب نے راہ خدا میں قربان ہونے کے لیے
آمادگی کا اظہار کیا اور ہر ایک نے دستور کے مطابق اپنا نام تیر پر لکھا تا کہ سب تیروں کو جمع کر کے
قرعہ اندازی کی جائے کہ ذبح ہونا کس کے مقدر میں ہے چنانچہ جب سب بھائیوں کے ناموں
والے تیروں کی قرعہ اندازی کی گئی تو قرعہ فال حضرت عبداللہ کے نام نکلا حضرت عبدالمطلب نے
چھری لے کر ان کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا جب قریش مکہ اور دیگر عزیز و اقارب کو اس کا علم ہوا تو وہ
اپنی اپنی مجالس کو چھوڑ کر فوراً ان کے پاس پہنچ گئے اور کہا کہ ابھی جلدی میں ایسا فیصلہ ہر گز نہ کرو
بلکہ مزید تسلی و تشفی کر لو تا کہ کوئی عذر اور شک و تردد باقی نہ رہے اور اگر یہ ممکن ہو کہ اس جوان کی
جان بچ جائے اور نذر پوری کرنے کی کوئی اور سبیل نکل آئے تو وہ صورت اختیار کرنی چاہئے۔
آپ ان کے مشورہ پر حضرت عبداللہ کو ساتھ لے کر ایک کاہنہ عورت کے پاس گئے اور ساری
صورتحال بتائی اس نے پوچھا تمہارے ہاں خون بہا کیا ہوتا ہے اور تم ناحق قتل کا بدلہ کتنا مال دیتے
ہو۔ آپ نے کہا دس اونٹ تو اس عورت نے کہا کہ پھر ایسا کرو کہ ایک طرف دس اونٹ اور دوسری
طرف اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ کو بیٹھا کر قرعہ اندازی کر لو۔ اگر قرعہ فال اونٹوں کے نام
نکل آئے تو انہیں ذبح کر دو ورنہ دس دس اونٹ مزید بڑھاتے جاؤ یہاں تک کہ جب قرعہ فال
اونٹوں کے نام نکل آئے تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ اونٹوں کی قربانی قبول کر کے راضی ہو گیا ہے اور
تمہارے بیٹے کے ذبح سے درگذر فرما لیا چنانچہ اس کے کہنے پر حضرت عبداللہ اور دس اونٹ کعبہ
معظمہ کے قریب قربانی کی غرض سے لائے گئے اور قرعہ اندازی کی گئی تو قرعہ فال حضرت عبداللہ
کے نام نکلا دس اونٹ بڑھا کر پھر قرعہ اندازی کی گئی تو پھر بھی حضرت عبداللہ کا نام نکلا اور دس
اونٹ بڑھا دیئے حتیٰ کہ اس طرح دس دس کا اضافہ کرتے کرتے نوبت سو اونٹ پر جا پہنچی کیونکہ سو
اونٹوں کی قرعہ اندازی میں حضرت عبداللہ کی بجائے اونٹوں کے نام قرعہ فال نکلا تو اسی وقت ان کو
ذبح کر دیا گیا اور کھلے عام چھوڑ دیا گیا تا کہ ہر ایک اپنا اپنا مقدر اور حصہ ان میں سے وصول کر لے
انسان بھی اور درندے، پرندے بھی (الوفا باحوال المصطفیٰ مترجم صفحہ نمبر ۱۱۱ تا ۱۱۲)

اور تفسیر کشاف میں ہے کہ رسول اکرم نبی معظم ﷺ نے ارشاد فرمایا **أَنَا أَبْنُ الذَّبِيحَيْنِ** میں دو ذبیحوں (حضرت اسماعیل و حضرت عبد اللہ) کا بیٹا ہوں اور بعض سے مروی ہے کہ ہم حضرت امیر معاویہؓ کے پاس موجود تھے کہ لوگوں میں یہ مذاکرہ شروع ہو گیا کہ ذبیح کون ہے؟ حضرت اسماعیل یا حضرت اسحاق سو حضرت امیر معاویہ نے فرمایا کہ تم نے ایک ایسے شخص کے سامنے یہ ذکر شروع کر دیا ہے جو اس کی حقیقت حال سے پوری طرح باخبر ہے دراصل ایک روز ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر تھے کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے اپنے علاقے کی خشک سالی کی شکایت کی اور عرض کی **یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ** میں اپنے شہروں کو خشک چھوڑ آیا ہوں مال ہلاک ہو گئے ہیں اور اہل و عیال برباد ہو گئے ہیں اے دو ذبیحوں کے صاحبزادے آپ مجھے اس میں سے ضرور عنایت کیجئے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرما رکھا ہے چنانچہ یہ لفظ سن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے اور اس پر انکار نہیں فرمایا پھر لوگوں نے حضرت امیر معاویہ سے پوچھا اے امیر المومنین وہ دو ذبیح کون ہیں؟ حضرت امیر معاویہ نے فرمایا کہ ایک حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب اور دوسرے حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام
(سیرت حلبیہ جلد اول صفحہ نمبر ۵۹ مطبوعہ بیروت)

پروردگار عالم نے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت عبد اللہ کی قربانی کا ہدیہ قبول فرما کر دونوں کو بچا لیا کیونکہ دونوں کی پیشانیوں میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک جلوہ گر تھا اور انہیں کی نسل سے آپ کا ظہور مقدر ہو چکا تھا اور یہ آپ کے نور ہی کی برکت اور وجہ تھی کہ دونوں کی قربانیاں بھی منظور ہوئیں اور جانیں بھی بچیں حضرت عبد اللہ کی قربانی سے پہلے عرب میں انسانی دیت (خون بہا) کے دس اونٹ مقرر تھے لیکن اس واقعہ کے بعد دیت کی مقدار ایک سو اونٹ مقرر ہو گئی دیت کی مقدار زیادہ ہو جانے سے ظاہر ہے کہ انسان کی قدر و قیمت بڑھ گئی ہو گی اور قتل کی واردات میں بھی نمایاں کمی ہو گئی ہو گی۔ یہ گویا اسی نور قدسی کے ظہور کی تمہید تھی جس کے عالم وجود میں آنے سے انسانیت کی قدر و قیمت میں اضافہ اور ظلم و ستم کا خاتمہ ہوتا تھا (الذکر الحسین فی سیرۃ

(نبی الامین صفحہ نمبر ۹۴)

جب حضرت عبداللہ کی طرف سے ایک سو اونٹ ذبح کئے گئے (اور سارے عرب میں ان کا شہرہ اور آوازہ بلند ہوا) تو ایک دن حضرت عبداللہ اپنے والد ماجد حضرت عبدالمطلب کے ہمراہ ام قتال بنت نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ کے پاس سے گزرے جو کہ ورقہ بن نوفل کی بہن تھیں تو اس نے کہا اے عبداللہ کہاں جا رہے ہو؟ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ میں اپنے باپ کے ہمراہ جا رہا ہوں جدھر وہ جائیں گے میں بھی انہیں کے ساتھ جاؤں گا۔ اس نے کہا کہ تم مجھ سے اتنے اونٹ لے لو جو تمہاری ذات پر بطور فدیہ قربان کیے گئے ہیں اور مجھے اپنی بیوی بنا لو آپ نے کہا میں اپنے باپ کے ساتھ ہوں اور ان سے جدا نہیں ہو سکتا۔

حضرت عبدالمطلب ان کو اپنے ہمراہ لیے سیدھے حضرت وہب بن عبد مناف بن زہرہ کے پاس پہنچے اور ان کی لخت جگر حضرت آمنہؓ کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا۔ جب شب زفاف ہوا تو نور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ سے منتقل ہو کر حضرت آمنہ کے بطن اقدس میں جلوہ گر ہو گیا۔ دوسرے روز جب حضرت عبداللہ اپنے گھر سے نکلے اور ام قتال سے جا کر کہا کہ تو نے جو دعوت نکاح دی تھی اور شادی کی جو پیش کش کی تھی وہ مجھے قبول ہے لہٰذا تو مجھ سے نکاح کر لے اس نے آمادگی ظاہر نہ کی تو آپ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کل تو خود پیش کش کر رہی تھی اور آج تو اس سے اعراض و روگردانی کا مظاہرہ کر رہی ہو تو اس نے کہا وہ نور مبارک جو تیری پیشانی میں چمکتا تھا اور جس کی والدہ بننے کی تمنا پر میں اتنے اونٹ بھی پیش کرنے کو تیار تھی وہ تجھ سے جدا ہو گیا ہے۔ لہٰذا اب مجھے تمہارے ساتھ نکاح اور شادی میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

ام قتال کے اس علم و معرفت کی وجہ یہ تھی کہ ان کے بھائی ورقہ بن نوفل نے نصرانی مذہب اختیار کر لیا تھا اور وہ کتب سماویہ کا مطالعہ کرتے تھے اور اس کو اس مطالعہ سے معلوم ہوا تھا کہ اس امت میں اولاد اسماعیل علیہ السلام سے ایک آخر الزمان نبی کا ظہور ہونے والا ہے ام قتال نے اپنے بھائی سے حاصل شدہ معلومات کے مطابق معلوم کر لیا کہ آخر الانبیاء علیہ [illegible]

الثناء کے والد گرامی یہی ہیں اور ان کی پیشانی میں جس نور کا ظہور ہے وہ اسی نور مجسم ہی کا ہے۔
حضرت عبداللہ بن عباسؓ نیز ابوالفیاض سے مروی و منقول ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کو اپنے ساتھ لے کر بنی زہرہ کے ہاں جا رہے تھے تاکہ وہاں ان کی شادی کی جائے تو ایک اور کاہنہ عورت کے پاس بھی گذر ہوا تھا جس کو فاطمہ بنت مر کہا جاتا تھا جو عورتوں میں سب سے خوبصورت، شکل و شباہت میں سب سے برتر اور عفت و پاکدامنی میں سب سے بڑھ کر تھی وہ کتب قدیمہ کا مطالعہ کرتی تھی اور قریش کے لوگ اس کے پاس جاتے اور مختلف معلومات حاصل کرتے تھے جب اس نے حضرت عبداللہ کو دیکھا اور ان کے چہرۂ انور میں موجود نور نبوت کا نظارہ کیا اور اس سے نور کی شعاعیں اور کرنیں پھوٹتی دیکھیں تو اس نے پوچھا اے جوان تم کون ہو؟ حضرت عبداللہ نے اپنا تعارف کرایا تو اس نے کہا اگر تم میرے ساتھ نکاح اور موافقت پسند کرو تو میں ایک سو اونٹ بھی دینے کو تیار ہوں آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:

أَمَّا الْحَرَامُ فَالْمَمَاتُ دُوْنَهُ وَالْحِلُّ لَا حِلَّ فَاسْتَبِيْنَهُ

لیکن حرام کے ارتکاب سے تو مر جانا ہی بہتر ہے اور حلال و جائز صورت بھی نظر نہیں آتی تاکہ میں اس پر غور و فکر کروں۔

فَكَيْفَ بِالْأَمْرِ الَّذِيْ تَبْغِيْنِيْهِ وَيَحْمِيْ الْكَرِيْمُ عِرْضَهُ وَدِيْنَهُ

سو جس کام کو تم چاہتی ہو وہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اور شریف آدمی اپنی عزت اور اپنے دین کو بچاتا ہے۔
پھر جب حضرت عبداللہ کا حضرت آمنہ بنت وھب سے نکاح ہو گیا اور رخصتی کے بعد ان کے پاس گئے اور شب زفاف فرمایا یہاں تک کہ نور نبوت ان کی طرف منتقل ہو گیا تو آپ کو قبیلہ خثعم کی اس کاہنہ عورت فاطمہ بنت مر کی پیش کش قبول کرنے کا خیال آیا اور آپ اس کے پاس گئے تاکہ اس سے نکاح کر لیں مگر اس کی طرف سے کوئی گرمجوشی اور نکاح کی رغبت نہ پائی تو خود ہی بولے کہ جو پہلے تو نے کہا تھا اگر اب رغبت ہو تو میں آمادہ ہوں اس نے کہا ایک وقت یہ خیال آیا تھا لیکن اب نہیں ہے پھر اس نے پوچھا کہ یہاں سے جا کر تم نے کیا کیا؟ آپ نے فرمایا میں نے اپنی بیوی حضرت آمنہ بنت وھب سے مباشرت کی ہے اس

عورت نے کہا میں کوئی بدکار عورت نہیں کہ تمہیں برائی کی دعوت دیتی دراصل وجہ یہ تھی کہ

رأیتُ نُورَ النُّبُوَّۃِ فِیْ وَجْھِکَ فَأَرَدْتُ أَنْ یَّکُوْنَ ذَالِکَ فِیَّ وَ أَبَی اللّٰہُ اِلَّا أَنْ یُّصَیِّرَ حَیْثُ اَحَبَّ۔ میں نے تمہارے چہرے میں نور نبوت کو دیکھا سو میں نے چاہا کہ وہ نور مجھ میں منتقل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ نے منظور نہیں فرمایا مگر اس نے جہاں چاہا وہاں پہنچا دیا (الوفاء با حوال المصطفےٰ صفحہ نمبر ۱۱۳ تا ۱۱۴)

ان واقعات میں حضرت عبداللہ صاحب کیسے پاک صاف رہے۔ یہ ابتلا اسی قسم کے تھے جو حضرت یوسف علیٰ نَبِیِّنَا عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ) کو پیش آیا تھا۔ ہر دو کے پاک دامن رہنے کی یہ وجہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام تو نبی بننے والے تھے اور حضرت عبداللہ کی پشت سے پیغمبر آخر الزمان پیدا ہونے والے تھے۔ اس میں اس امر کی بین دلیل ہے کہ جن پشتوں اور پیٹوں سے کوئی پیغمبر پیدا ہونے والا ہو وہ پشت اور پیٹ اس قسم کی برائیوں سے بالکل پاک رہتے ہیں اور ان کے لیے خدائے تعالیٰ اپنی حفاظت کے خاص سامان پیدا کر دیتا ہے وَ مَا ذَالِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ۔

حضرت عبداللہ کی طہارت نفس، کیریکٹر کی پاکیزگی اور اخلاق کی بلندی کی نسبت جو کچھ سابق لکھا جا چکا ہے۔ اس کے علاوہ اتنا اضافہ ضروری ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے دشمن اسیران جنگ کی حیثیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا یَا أَھْلَ مَکَّۃَ مَا تَرَوْنَ اَنِّیْ فَاعِلٌ بِکُمْ قَالُوْا خَیْراً، اَخٌ کَرِیْمٌ وَابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ (طبری جلد 2 صفحہ 120 و مدارج النبوت جلد 2 صفحہ نمبر 35) اے اہل مکہ! تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تم سے (کیسا سلوک) کروں گا۔ انہوں نے کہا نیکی کا کیونکہ آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی (حضرت عبداللہ) کے بیٹے ہیں۔

اس سے صاف عیاں ہے کہ حضرت عبداللہ باوجود نو عمری کے طہارت نفس اور پاکدامنی میں مشہور تھے اسی طرح کریم النفسی اور مروت و احسان میں بھی شہرۂ آفاق ہو چکے تھے قوم کے دلوں پر اس کا اتنا گہرا اثر تھا کہ ان کی وفات کے تقریباً ساٹھ سال کے بعد بھی اپنی تقصیرات کی معافی کے لیے ان کے اخلاق فضائل کو سفارشی بناتے ہیں گویا ساٹھ سال کی طویل مدت تک بھی ان کے پاکیزہ اخلاق اور پسندیدہ عادات کا نقش ان کی

نظروں کے سامنے ہے اور اس کا اثر ان کے دلوں سے محو نہیں ہوا۔ بہر حال حضرت عبد اللہ اپنے ذی وجاہت باپ حضرت عبد المطلب کی زندگی میں عین جوانی کی حالت میں یعنی سترہ سال یا بقول بعض پچیس سال کی عمر میں فوت ہو گئے........

چونکہ اس مقام پر اصل مقصود طہارت نفس ہے اور بزرگ کارنامے درجہ ثانوی میں آتے ہیں۔ اس لیے آنحضرتؐ کے والد ماجد کا طہارت نفس اور اخلاق کی پاکیزگی اور کردار کی بلندی اور عادات کی سنجیدگی کی یادگار چھوڑ کر وفات پا جانا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جدی شرافت کے لیے کافی ہے (ماخوذ از سیرت المصطفےٰ کامل صفحہ نمبر 102 تا 104)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ننھیال:

کسی شخص کی شرافت نسبی اور خاندانی وجاہت کے ساتھ اس کی جننے والی ماں کے کیریکٹر و کردار اور عفت و پاکدامنی اور خاندان کی بزرگی دیکھنا بھی ضروری ہے کیونکہ جس طرح باپ کے خون و تخم کا اثر بیٹے میں سرایت کرتا ہے اسی طرح اس کی ماں کے شکم اور خون اور دودھ کا بھی اثر ہوتا ہے جس میں تقریباً نو مہینے تک اس کے جسم کی بناوٹ اور پرورش کمال کو پہنچتی ہے اور پھر دو سال تک اس کے دودھ سے تربیت ہوتی ہے بلکہ بغیر جننے کے صرف دودھ پینے کا بھی اثر ہوتا ہے ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رضاعت کے وقت دیگر سب قبطی عورتوں کے دودھ کو قدرتاً بند کرنے اور صرف انہی کی جننے والی ماں کا دودھ پلوا کر ان کی پرورش کرنے کے کیا معنی؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس طریق پر پرورش کرنے میں یہی حکمت تھی کہ ان کا خون خالصتاً اسرائیلی رہے اور قبطی عورتوں کے دودھ کو ان میں داخل نہیں ہونے دیا کہ فرعون کے مقابلہ کے وقت ان کی اسرائیلی حرارت و حمایت کا جذبہ و درجہ کم نہ ہو جائے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضاعت کے لیے بالخصوص دایہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتخاب بھی قدرت کی گہری حکمت سے تھا چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ بَیْدَ اَنِّیْ مِنْ قُرَیْشٍ وَ نَشَأْتُ فِیْ بَنِیْ سَعْدٍ (الشفا ملقاضی جلد

ول صفحہ 61 مطبوعہ استنبول) میں عربوں میں سب سے زیادہ فصیح ہوں کیونکہ نسب کی رو سے میں قریش میں سے ہوں اور میرا نشوونما بنی سعد میں ہوا ہے۔ اور اس میں بھی قدرت کا تصرف کارفرما ہے کہ جس جس عورت نے حضور کو دودھ پلایا وہ سب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت نبوت کے وقت اسلام لے آئیں ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ (حضرت آمنہ) ثویبہ حلیمہ سعدیہ اور ام ایمن۔ (مسالک الحنفا صفحہ نمبر 44) غرضیکہ شرافت و بزرگی اور عزت وجاہت ماں باپ ہر دو کی طرف سے ہونی چاہئے اسی لیے محاورہ میں "نجیب الطرفین" اس شخص کو کہتے ہیں جس کے ددھیال اور ننھیال ہر دو شریف و باوقار ہوں اور یہ امر خدا تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہے چنانچہ فرمایا۔ **وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَّصِهْرًا** (سورت فرقان آیت نمبر 19) اور اللہ تعالیٰ وہ ذات پاک ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا اور اس کو نسب (جد) اور صھر (سسرال) بنایا۔

اس کے بعد معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جس طرح نسبی اور خاندانی پشتوں کی طرف سے شریف النسب تھے کہ ان میں سے کوئی فرد بد عمل اور ذلیل نہیں تھا بلکہ سب کے سب معزز و مکرم اور باکردار صالح انسان تھے۔ اسی طرح رحموں اور شکموں کی طرف سے نجیب و شریف تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محترم نانیاں سب شریف وصالح خاندانوں سے تھیں اور عفت وعصمت کی دیویاں تھیں۔ اس امر میں سب سے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ ماجدہ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اوپر کی نانیاں خاندان قریش سے تھیں۔ بعض تو نسب میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حضرت قصی پر اور بعض حضرت کعب بن لوئی پر جا ملتی ہیں اور سب شرافت نسب اور طہارت نفس میں ممتاز تھیں۔ محدث ابن جریر طبری (نیز علامہ ابن کثیر) حضور علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ خاتون اور ان کے والد ماجد حضرت وھب کی نسبت لکھتے ہیں۔ **وَوَهْبٌ يَوْمَئِذٍ سَيِّدُ بَنِي زُهْرَةَ سِنًّا وَشَرَفًا فَزَوَّجَهُ آمِنَةَ بِنْتَ وَهِيَ يَوْمَئِذٍ أَفْضَلُ امْرَأَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ** (تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 174 نیز البدایہ والنھایہ الجزء الثانی صفحہ ۲۷۹) اور حضرت وھب نے جو اس وقت عمر اور شرافت وفضیلت دونوں کے لحاظ سے بنی زھرہ کے سردار تھے اپنی بیٹی حضرت آمنہ خاتون کا نکاح حضرت

عبداللہ سے کر دیا اور حضرت آمنہ اس وقت سب قریشی عورتوں سے افضل و برتر تھیں (سیرت المصطفے کامل 105تا107)

حضرت آمنہ کا بوقت وصال حضور کی شان میں موحدانہ قصیدہ:

حضرت ام سماع بنت ابی رہم فرماتی ہیں کہ میری والدہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے وقت ان کے پاس حاضر تھیں۔ اس وقت حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر مبارک پانچ برس تھی۔ آپ اپنی والدہ ماجدہ کے سر مبارک کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت سیدہ آمنہ نے آپ کے چہرہ انور کی طرف دیکھا اور یہ اشعار پڑھے:

بَارَكَ اللّٰهُ فِيكَ مِنْ غُلَامٍ   يَا ابْنَ الَّذِي مِنْ حَوْمَةِ الْحِمَامِ

اے بیٹے! اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے   تو اس کا فرزند ہے جس نے موت کی سختی سے

نَجَا بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْعَلَّامِ   فُودِيَ غَدَاةَ الضَّرْبِ بِالسِّهَامِ

بڑے علم والے بادشاہ اللہ کی مدد سے نجات پائی تھی۔ جب صبح کے وقت نذر پوری کرنے کے لیے (حضرت عبدالمطلب کی طرف سے) تیروں پر قرعہ اندازی کی گئی

بِمِائَةٍ مِنْ أَهْلٍ سُوَامٍ   أَنْ صَحَّ مَا أَبْصَرْتُ فِي الْمَنَامِ

(تمہارے باپ کے نام پر) ایک سو قیمتی اونٹ قربان کیے گئے۔ میں نے جو خواب میں دیکھا ہے اگر وہ صحیح ہے

فَأَنْتَ مَبْعُوثٌ إِلَى الْأَنَامِ   مِنْ عِنْدِ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

تو تو تمام کائنات کی طرف نبی بنا کر بھیجا جائے گا۔ خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے

تُبْعَثُ فِي الْحِلِّ وَفِي الْحَرَامِ   تُبْعَثُ فِي التَّحْقِيقِ وَالْإِسْلَامِ

تو حلال و حرام میں فرق بتانے والا حرم و غیر حرم کے تمام باشندوں کی طرف نبی مبعوث ہوگا (اور) تو حق و صداقت کو ظاہر کرنے والا اور دین اسلام کو پھیلانے والا مبعوث ہوگا

دِيْنُكَ الْمَرَّ ابَرْ هَامٍ　　　　فَاللّٰهُ اَنْهَاكَ عَنِ الْاَصْنَامِ

جو تیرے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔ سو اللہ تعالیٰ تجھے بت پرستی سے باز رکھے گا

اَنْ لَّا تَوَ الِيْهَا اِلَى الْاَقْوَامِ (اور) یہ کہ تو بت پرستی میں اقوام عرب سے دوستی نہیں رکھے

گا۔ اس کے بعد حضرت سیدہ آمنہ نے فرمایا:

كُلُّ حَيٍّ مَيِّتٌ وَكُلُّ جَدِيْدٍ بَالٍ وَكُلُّ كَبِيْرٍ يَفْنىٰ وَاَنَا مَيِّتَةٌ وَ ذِكْرِىْ بَاقٍ وَقَدْ تَرَكْتُ خَيْرًا وَوَلَدْتُ طُهْرًا ثُمَّ مَاتَتْ فَكُنَّا نَسْمَعُ نَوْحَ الْجِنِّ عَلَيْهَا فَحَفِظْنَا مِنْ ذَالِكَ

ہر زندہ مر جائے گا اور ہر نئی چیز پرانی ہو جائے گی اور ہر بڑا فنا ہو جائے گا اور میں مر جاؤں گی لیکن میرا ذکر باقی رہے گا کیونکہ میں بہترین چیز (رسول کریم) چھوڑ کر جا رہی ہوں اور میں نے پاک بچے کو جنم دیا ہے پھر آپ فوت ہو گئیں تو ہم نے ان پر جنوں کا نوحہ کرنا اور رونا سنا اور اس کو یاد رکھا۔

حضرت آمنہ کے وصال پر جنوں نے نوحہ کرتے ہوئے جو اشعار پڑھے تھے انہیں میں سے یہ اشعار بھی ہیں۔

نَبْكِى الْفَتَاةَ الْبَرَّةَ الْاَمِيْنَةَ　　　　ذَاتَ الْجَمَالِ وَالْعِفَّةِ الرَّزِيْنَةِ

ہم ایک جوان نیک امانت دار خاتون پر روتے ہیں جو باجمال پاک دامن عزت و وقار والی ہیں

زَوْجَةُ عَبْدِاللّٰهِ وَالْقَرِيْنَةِ　　　　اُمُّ نَبِىِّ اللّٰهِ ذِى السَّكِيْنَةِ

وہ حضرت عبداللہ کی بیوی اور ہم نشین تھیں۔ اللہ کے نبی کی والدہ اطمینان والی خاتون

وَصَاحِبُ الْمِنْبَرِ بِالْمَدِيْنَةِ　　　　صَارَتْ لَدىٰ حُفْرَتِهَا رَهِيْنَةً

اور وہ مدینہ منورہ میں صاحب منبر ہو گا۔ وہ اپنی قبر میں بطور امانت محو آرام ہو گئی

(الحاوی للفتاوی الجزء الثانی نمبر ۲۲۲۔ الخصائص الکبریٰ جلد اول صفحہ نمبر ۷۹ تا ۸۰)

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر مبارک چھ برس کی ہوئی تو آپ کی والدہ حضرت آمنہ آپ کو لے کر مدینہ منورہ گئیں چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دادا کی ننھیال خاندان نجار میں تھیں

وہیں ٹھہریں اس سفر میں حضرت ام ایمن ؓ بھی ساتھ تھیں جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دایہ تھیں۔
مؤرخین نے رکھا ہے کہ آپ کی والدہ اس ننھالی رشتہ کی وجہ سے مدینہ منورہ گئیں لیکن یہ رشتہ دور کا رشتہ تھا۔
قیاس میں نہیں آتا کہ صرف اتنے سے تعلق سے اتنا بڑا سفر کیا جائے میرے نزدیک بعض مؤرخین کا یہ بیان
صحیح ہے کہ حضرت آمنہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے گئی تھیں جو مدینہ منورہ میں مدفون تھے بہر حال
ایک مہینہ تک مدینہ منورہ میں مقیم رہیں واپس آتے ہوئے جب مقام ابواء میں پہنچیں تو ان کا انتقال ہو گیا
اور یہیں مدفون ہوئیں۔ حضرت ام ایمن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لے کر مکہ مکرمہ میں آئیں
(سیرۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلد اول صفحہ نمبر ۱۱۰ تا ۱۱۱)

دعا:

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے محبوب کریم **علیه التحیة والتسلیم** کے وسیلہ جلیلہ سے اس سعی جمیلہ کو
قبول فرما کر میرے لیے ذریعہ نجات بنائے اور عذاب اخروی سے محفوظ رکھے اور اس مسئلہ پر نادرست عقیدہ
رکھنے والوں کو اس کتاب کے ذریعہ حسن عقیدہ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور حسن عقیدہ والوں کے
لیے اسے مزید استحکام کا ذریعہ بنائے آمین ثم آمین بجاہ خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

محمد واحد بخش غوثی مہاروی

خادم آستانہ عالیہ حضرت قبلہ عالم مہاروی

چشتیاں شریف ضلع بہاولنگر پنجاب

(نوٹ) یہ کتاب آج سے تقریباً پندرہ سولہ سال پہلے لکھی تھی جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے
والدین سے لے کر حضرت مدرکہ تک کا ذکر خیر نہیں تھا اس سال اس کمی کو بھی پورا کر دیا گیا ہے الحمد للہ علی
ذالک۔

ماٰخذ و مراجع

۱	قرآن مجید	
۲	بخاری شریف	
۳	مسلم شریف	
۴	ترمذی شریف	
۵	ابوداؤد شریف	
۶	نسائی شریف	
۷	ابن ماجہ	
۸	مصنف ابن ابی شیبہ	
۹	مشکوٰۃ شریف	
۱۰	السنن الکبریٰ للبیہقی	
۱۱	مسند امام احمد	
۱۲	طبرانی شریف	
۱۳	تفسیر ابن جریر	
۱۴	تفسیر کبیر	
۱۵	تفسیر ابن کثیر	
۱۶	تفسیر روح المعانی	
۱۷	تفسیر مظہری	
۱۸	تفسیر جلالین	

۱۹	تفسیر خازن
۲۰	تفسیر بیضاوی
۲۱	حاشیہ علامہ عبد الحکیم علی البیضاوی
۲۲	شیخ زادہ حاشیہ علی البیضاوی
۲۳	تفسیر صاوی
۲۴	تفسیر مدارک التنزیل
۲۵	تفسیر ابو سعود
۲۶	تفسیر خزائن العرفان
۲۷	تفسیر ضیاء القرآن
۲۸	تفسیر نور العرفان
۲۹	اشرف التفاسیر
۳۰	تفسیر فتح العزیز
۳۱	معانی القرآن
۳۲	شرح مسلم
۳۳	شرح مسلم (نووی)
۳۴	مستدرک حاکم
۳۵	شرح موطا
۳۶	اشعة اللمعات
۳۷	المنهل الروی فی الحدیث النبوی

۳۸	مواهب اللدنیه
۳۹	انوار المحمدیہ
۴۰	سیرت حلبیہ
۴۱	زرقانی
۴۲	افضل القریٰ
۴۳	فضائل العباس
۴۴	مدارج النبوت
۴۵	محمدؐ رسول اللہ
۴۶	الخصائص الکبریٰ
۴۷	تاریخ ابن عساکر
۴۸	الحاوی للفتاوی
۴۹	فتح الباری
۵۰	رد المختار
۵۱	ریاض الصالحین
۵۲	ذخائر العقبیٰ
۵۳	طبقات ابن سعد
۵۴	غرائب المالک
۵۵	جلاء الافہام
۵۶	السیف المسلول

۵۷	مرآۃ الزمان
۵۸	الدرۃ السنیہ فی مولد سید البریۃ
۵۹	التقریب
۶۰	محاسن الاصطلاح
۶۱	الناسخ والمنسوخ
۶۲	الموضوعات
۶۳	القول المسدد
۶۴	الفجر المنیر
۶۵	التذکرۃ بامور الآخرۃ
۶۶	کشف الظنون
۶۷	تلقیح فہوم الاثرۃ
۶۸	تنبیہ الولاۃ والحکام
۶۹	معارج النبوت
۷۰	السابق واللاحق
۷۱	میلاد النبی
۷۲	شمول الاسلام
۷۳	البدرین والحسنین
۷۴	سیرت المصطفیٰ کامل

ناشر۔ انتظامیہ جامع مسجد
قبا نیو کینال پارک تاج باغ روڈ ہربنس پورہ، لاہور